زیر اہتمام الفتح مطبوعات کراچی

ہفت روزہ

ذوالفقار

گھوٹکی

قیمت ۵ روپے

دنیا بھر کی نظریں بھٹو کی جانب

صفحہ ۱۳ پر

قارئین کہتے ہیں

خوشامدیوں کے مشورے کا نتیجہ، تباہی

آپ کو پرچہ نکالنے میں کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے وہ آپ خود جانتے ہوں گے کیونکہ آجکل جو اخبار حکومت کی مخالفت میں شائع ہو رہے ہیں ان کا حشر دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ سنسر کی قینچی کی طرف اتنی توجہ دی جا رہی ہے جیسے یہ ملک کا اہم مسئلہ ہے قومی اتحاد کے لیڈر فرماتے ہیں کہ اخباروں کو آزادی ہے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ اخبارات کو کسی قسم کی بھی آزادی نصیب نہیں ہے سنسر کی تلوار ہر وقت لٹکتی رہتی ہے دوسری طرف خوشامدی اخبار دونوں ہاتھوں سے اشتہاروں کی صورت دولت سمیٹ رہے ہیں ان اخباروں کا ہمیشہ یہی رویہ رہا ہے جو بھی حکومت ہو اس کے پیر چاٹنا ان اخباروں کا کام ہے خاص کر نوائے وقت اور جنگ یہ اخبار کسی صورت میں گھاٹے میں نہیں رہتے آجکل جنگ اخبار نے سندھیوں مہاجروں اور پنجابیوں میں ایک دوسرے سے نفرت پیدا کرنے کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے آجکل وہی طریقہ استعمال کیا جا رہا ہے سندھیوں کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ تم میں کوئی اہلیت نہیں ہے تم راجا داھر کے ماننے والے ہو کتنے افسوس کی بات ہے کہ برصغیر میں اسلام پہلے سندھ میں شروع ہوا اور سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے آج کل ہمیں دہریہ کہا جا رہا ہے اور مودودیت کو صحیح اسلام کہا جا رہا ہے جس نے ہمیشہ فرقہ داریت کو ہوا دی اور جو لوگ پاکستان کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں مجھے یاد ہے کہ جب پاکستان بنا تھا اس وقت ہندوستان سے مہاجر آ رہے تھے تو سندھیوں نے کتنی محبت سے ان کا استقبال کیا تھا اپنے گھر، زر، مال ان کو دیا تھا اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لیے کتنی قربانی دی تھی آج ایسے تعصب پسند اخبارات سندھیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہمیشہ حکومت کو ہدایتیں کرتے رہتے ہیں کہ ایسی پالیسی اختیار کی جائے ون یونٹ بنایا جائے فلاں افسر نے ایسا کیا فلاں افسر پیپلز پارٹی کا ہے اسے نکال دیا جائے خاص کر ڈپٹی کمشنر خیرپور پر جنگ اخبار نے خوب حملہ کیا بلکہ دو دفعہ اداریہ لکھ مارا کہ اس کو ہٹایا جائے کہ وہ پیپلز پارٹی کا وفادار ہے مگر ڈپٹی کمشنر خیرپور ایک مخلص اور دیانتدار افسر ہیں میں حکومت کو مشورہ دوں گا کہ وہ ایسی باتوں پر ہرگز کان نہ دھریں کیونکہ یہ اخبار ہمیشہ خوشامد میں غلط مشوروں سے نوازتے اور اپنا کام نکالتے ہیں سندھی پنجابی مہاجر پٹھان بلوچ سب بھائی ہیں۔

میر ہوت علی تالپور خیرپور میرس

محب وطن کون؟

جوں جوں ہمارے ملک میں نیم نوآبادی نیم جاگیردارانہ سماج دم توڑ رہا ہے اسی وقت سے عوام پر ریاستی ظلم و جبر بھوک، افلاس مہنگائی، بے روزگاری مایوسی و بے چینی اور افراتفری بڑھ رہی ہے آج ہر طرف خوف و ہراس، بچوں کا اغوا، چوری ڈکیتی، راہزنی ہنگامہ آرائی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے لیکن جسے دیکھو اس کے ہاتھ میں پاسپورٹ کاپی ہوتی ہے پوچھو تو کہتا ہے کہ بس عنقریب بیرون ملک جا رہا ہوں اگر پاسپورٹ آفس چلے جاؤ تو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے سب لوگ یہیں پر آ گئے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس کی کیا وجہ ہے اس کی اصل وجہ آزادی پاکستان سے لے کر آج تک ہمارے ملک پر مٹھی بھر تاریخی غدار، سرمایہ دار اور جاگیردار طبقہ مالک مکان بن بیٹھے ہیں اور عوام کی اکثریت سندھی بلوچی، پنجابی، پٹھان اپنے ہی ملک میں آج تک محتاج ہیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں ان کے پاس کوئی کلیم نہیں اگر کوئی کلیم ہے تو صرف دو ہاتھ محنت مزدوری کے لیے اور یہی دو لٹے ہوئے کردہ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں قانونی اور غیر قانونی طور پر تلاش روزگار کے لیے ماں باپ بہن بھائی بیوی بچے اور عزیز و اقارب چھوڑ کر بیرون ملک جا رہے ہیں لیکن کوئی بھی خوشی سے نہیں جا رہا یہ سب روٹی کپڑے اور مکان کی مجبوری ہے اور پہلی دفعہ جب بھی کوئی ملک چھوڑتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو ہوتے ہیں اور وہ خوب روتا ہے اس کے عزیز و اقارب الوداع کرتے ہوئے اپنے ملک کی بے بسی اور اپنی بے کسی کا مزید ماتم کرتے ہیں کیونکہ سرمایہ دار اور مزدور کا کوئی ملک نہیں ہوتا یہ دونوں مشین اور سرمایہ داری سماج کی پیداوار ہیں سرمایہ دار اپنا سرمایہ وہاں لگاتا ہے جہاں اسے خوب لوٹ کھسوٹ کا موقع ملے اور مزدور وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں وہ مزدوری کر کے اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پال سکے۔ لیکن سرمایہ دار اور مزدور میں ایک خاص فرق ہوتا ہے وہ فرق یہ ہے جب سے ہمارے ملک میں عوامی ابھار آیا ہے سرمایہ داروں نے جمہوری انقلاب کی آمد سے خائف ہو کر اپنے ملک میں سرمایہ کاری کرنے کے بجائے بیرون ملک سرمایہ منتقل کرنا شروع کر دیا ہے لیکن مزدوروں کی حب الوطنی کا یہ عالم ہے کہ وہ اس کے باوجود محنت مزدوری کر کے کروڑوں روپے کا زر مبادلہ روزانہ اپنے ملک بھیج رہے ہیں اور ملکی خوشحالی سلامتی کے لیے نیک دعائیں کر رہے ہیں۔

انور خان سحر ڈسکہ

روہڑی کے مزدور

روہڑی کے مزدوروں کی، مزدور طبقے کے جمہوری حقوق کے لیے جاری جدوجہد کو کچلنے کے لیے ان پر وحشیانہ تشدد کیا گیا ہے متعدد مزدوروں اور خواتین کو گھروں میں گھس کر زدوکوب کیا گیا۔ ۲۵ کے قریب کارکنوں کو ایک سال اور دس سے لے کر ۱۵ کوڑوں تک سزائیں دی گئی ہیں بیسیوں مزدوروں کو نوکری سے برطرف کر دیا گیا ہے مزدوروں کی یونین کو انتہائی غیر قانونی طور پر ختم کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں اور جعلی مفاد پرست چمچوں کے ذریعے مزدوروں کے اتحاد کو ختم کرنے کے لیے مزدوروں میں پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں ظلم تو اس حد تک ہے کہ جیل میں قید کارکنوں کے ساتھ ان کے بیوی بچوں کی قانونی ملاقات پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں انتظامیہ کی شہ پر آئے دن مزدوروں کو من گھڑت الزامات سنا کر قید اور کوڑوں کی سزا دینے کا سلسلہ جاری ہے لیکن روہڑی کے باشعور مزدور خبردار کرتے ہیں کہ ان تمام حربوں کے باوجود مزدور طبقہ تمام سازشوں کو ناکام بنا دے گا۔ ہم ملک بھر کے مظلوم طبقات کے نمائندوں اور تنظیموں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ روہڑی سیمنٹ کے مزدوروں پر جاری ظلم و تشدد اور لاقانونیت کے خلاف آواز بلند کریں۔

مولا بخش، منیف گھانگرو۔ (روہڑی)

صرف بھٹو ازم کیوں؟

ذوالفقار شمارہ ۲۳ فروری دیکھنے کا اتفاق ہوا یوں تو میں ملک سے شائع ہونے والے جرائد بھی وقتاً فوقتاً دیکھتا ہوں مگر ذوالفقار کا مطالعہ پابندی سے کرتا ہوں اور اب تو ماشاءاللہ ذوالفقار دن بدن نکھرتا بھی جا رہا ہے اگر سیاست کے علاوہ دیگر موضوعات کا بھی خیال رکھا جائے جو کہ خوش کن ہو تو کم از کم بہت سے اخبار و رسائل کی خریداری سے بچا سکتا ہے۔ جب آپ اتنا خوبصورت جریدہ نکالتے ہیں تو دیگر موضوعات کیوں چھوڑ جاتے ہیں سمجھ سے بالاتر ہے ذوالفقار (الفتح) عرصے ایک ہی گھسی پٹی لائن پر نکل رہا ہے نہ جانے ایسا کیوں ہے یا تو آپ لوگ نئی سوچ سوچ نہیں سکتے یا آپ لوگوں نے ذوالفقار اور خود اپنی زندگی کو بھٹو اور بھٹو ازم کے پرچار کے لیے وقف کر دیا ہے

اگر کبھی کوئی کام کی چیز اشاعت کے لئے جو کہ آپ کی پالیسی کے مطابق ہو ہم جیسے قاری آپ تک بھیجتے بھی ہیں تو آپ لوگ نہ جانے کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں اور پوچھنے پر جگہ کی کمی کا رونا روتے ہیں (میرے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے) جب کہ اکثر و بیشتر جب میں اپنی قیمتی صفحات پر فضول اور واہیات سی چیزیں چھپی دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی کم نصیبی پر رونا آتا ہے نہ جانے آپ کی نگاہِ انتخاب غیر معیاری مواد کیوں منتخب کرتی ہے اب شاید آپ لوگ اس قسم کے کارٹون چھاپنے کی روایت قائم کر رہے ہیں اور کیا نصیر الاجتہادی کا بیان چھاپنا ضروری تھا وہ کہتا ہے کہ فقہ جعفریہ کے فرقے کی تعداد تین کروڑ ہے جبکہ کل پاکستانیوں کی ساڑھے سات کروڑ ہے جبکہ باقی ساڑھے چار کروڑ میں اہانت کے بے شمار فرقے اور کرسچین، پارسی، ہندو اسماعیلی اور دیگر اقلیتوں کے فرقے بھی شامل ہیں تو اس حساب سے تو اہل سنت اقلیتی فرقہ ہوا۔ آپ نصیر الاجتہادی کی باتوں کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں تو کیا آپ بھی ان کی طرح فرقہ دارانہ فساد چھیڑنا چاہتے ہیں؟

(شاہد احمد۔ کورنگی۔ کراچی)

★

دفتر رابطہ
الفتح
مطبوعات

ہفت روزہ
ذوالفقار
گھوٹکی

چیف ایڈیٹر: سید اظہر گیلانی

۶۹-ڈی، ۵ - نرسری کمرشل ایریا، پی - ای - سی - ایچ - ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا، شبیہہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

تزئین
عبدالرحمٰن

۲۴ فروری
۱۹۷۹ء

شمارہ ۴۸۸
ضمیمہ

قیمت
۵ روپے

خاص مضامین

بھٹو کی زندگی میں انہیں اپنی موت نظر آرہی ہے —— منہاج برنا —— ۵
اسلامی معاشی نظام نہیں سرمایہ داری نظام کا تحفظ —— محمد جمیل —— ۶
بلدیاتی انتخابات کا منصوبہ ترکِ عام انتخابات پہلے ہوں گے —— ذوالفقار حیدری —— ۷
جسٹس وحیدالدین کی علالت سے صحت یابی تک —— نمائندہ خصوصی —— ۱۱
خمینی نے فون پر نصیرالاجتہادی سے پاکستانی شیعوں کے بارے میں پوچھا —— غیبوں کی ڈائری —— ۲۴
لیس سرٗ کہنے والوں کی صلاحیت ختم اور قوت فیصلہ ضبط ہو جاتی ہے —— ظفر قریشی —— ۲۶

نمائندے
اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے
سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم: لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم: پشاور ○ خلیل خان خٹک
بلوچستان ○ مقیم: کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے
حیدرآباد ○ مدد علی بروہی
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈو الہ یار ○ کامل سمون
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرونی ممالک
پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

پبلشر، پرنٹر اے اے گیلانی نے سید پریس گھوٹکی سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی سے شائع کیا

وہی کہو جو سچ ہے

ہمارے ملک کے حکمران، ان کا طرزِ حکمرانی اور ان کی سیاست جہاں اور بہت سے نقائص کا شکار رہے ہیں وہیں ان کی یہ کوشش بھی مسلسل اور ہر دور میں جاری رہی ہے کہ اپنے اقدامات اور منصوبوں کی تشہیر اس انداز میں کی جائے کہ عوام اصل حقیقت کو سمجھے بغیر انہیں قبول کرلیں اور اس کی تائید و حمایت کریں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ صرف یہی نہیں کہ اپنے اقدامات کے منفی پہلوؤں کو عوام سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ان کے مثبت پہلوؤں کو بے انتہا بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں عوام ان اقدامات سے ایسی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں۔ جن کے عملی صورت اختیار کرنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور اس طرح عوام "توقعات کے بحران" کا شکار ہوتے ہیں اور بالآخر مایوسی، بددلی اور بداعتمادی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حکمرانوں کا یہ طرزِ عمل خلوصِ نیت پر مبنی اور قومی مفادات کے تحت ہو تو اسے ایک غلطی یا کوتاہ فہمی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو تو اسے بددیانتی کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

ان معروضات کی ضرورت یوں پیش آئی کہ پچھلے دو ہفتوں سے سرکاری ذرائع ابلاغ اور مطیع اخبارات و جرائد کے ذریعے بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہی مہم جاری ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات قرار دینے والے عملاً اسے زندگی کے کسی ایک شعبے میں بھی مکمل طور پر ناقابلِ نفاذ قرار دے رہے ہیں۔ ہم اس بحث کی مزید تفصیلات میں گئے بغیر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جن چار فوجداری جرائم کے سلسلے میں شرعی حدود کا اعلان کیا گیا ہے وہ ہمارے سماج کے ایک انتہائی محدود حلقے پر اثرانداز ہوتی ہیں اس لئے انہیں بہت بڑا کارنامہ قرار دینا یا انہیں گہرے اور وسیع اثرات کا حامل قرار دے کر اس تاثر کو لوگوں کے ذہنوں پر مرتسم کرنے کی کوشش بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ عوام جب ان دعوؤں اور ان کے واقعی نتائج کے فرق کو دیکھ اور جان لیں گے تو حکمرانوں کا نظربندی کا کھیل ان کی سمجھ میں آ جائے گا۔ پھر اس کے نتیجے میں جو تلخی پیدا ہو گی اس کے پیشِ نظر اس کوشش کو کسی بھی اعتبار سے قومی مفادات سے ہم آہنگ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس طرح جب لوگ اخبارات میں حکومت کے ہمنواؤں کے اس نوعیت کے بیانات پڑھتے ہیں کہ "زکوٰۃ مذہبی فریضہ اور انکم ٹیکس حکومت کا کام چلانے کے لئے ٹیکس ہے" تو وہ ایک پاکستانی فلم کا حوالہ دیتے ہیں جس کی وجہ شہرت اس کے ہیرو کا وہ مشہور مکالمہ ہے کہ "چوری کرنا میرا پیشہ اور نماز میرا فرض ہے"۔

جہاں تک عشر کا تعلق ہے ہمارے بے پڑھے لکھے چھوٹے زمیندار اور بے زمین ہاری کو کوئی یہ بتلانے والا نہیں ہے کہ اسے عشر کی صورت میں اس مالیانے سے کتنی زیادہ رقم ادا کرنی پڑے گی۔ چھوٹی زرعی ملکیتوں کا جو مالیانہ معاف کر دیا گیا تھا آیا انہیں عشر کے سلسلے میں معافی ملے گی یا نہیں؟ پھر یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ عشر کی وصولی کے ساتھ ہی بالواسطہ ٹیکسوں کا سلسلہ، جو حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا وسیلہ ہیں، جاری رہے گا یا نہیں؟ کیونکہ ایسی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے کہ عشر وصول کرنے والی کسی مسلم حکومت نے بالواسطہ ٹیکس بھی عائد کئے ہوں۔ اس وقت تک ذمہ دارانِ حکومت اور ان کے ہمنواؤں کے جو بیانات سامنے آئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور عشر تمام مروجہ ٹیکسوں کے علاوہ ہوں گے لیکن یہ بات کھل کر اور عوام کو ذہنی طور پر اس صورتحال کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کرنے کی نیت سے نہیں کہی جا رہی ہے۔ شاید اس کے پیچھے یہ اندیشہ کارفرما ہے کہ عوام اس صورتحال کو بخوشی قبول نہ کریں گے لیکن اس سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر عوام کو ذہنی طور پر تیار کئے بغیر ان منصوبوں پر عمل کیا گیا تو نتائج شاید زیادہ خراب نکلیں۔

پُرانی
سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

بھٹو کی زندگی میں انہیں اپنی موت نظر آرہی ہے؟

بھٹو کا مقدمہ اسلامی قانون کیمطابق کیوں نہیں چلایا جارہا ہے

اکثر لوگ آج کل یہ سوال کر رہے ہیں کہ جب صدر ضیاالحق نے ۱۲ ربیع الاول (۱۰ فروری) کو اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دیا ہے تو نواب محمد احمد خان کے قتل جیسے اہم مقدمے کو جس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ ایک سابق وزیر اعظم بھی ملوث ہیں اسلامی شرع کے تحت کیوں نہ چلایا گیا۔ اسلامی تقاضوں کے تحت ملزمین کو سزائیں کیوں نہ دی گیئں اور اگر اسلامی نظامِ عدل کے تحت وہ سب یا ان میں سے کچھ الزامات سے بری قرار پاتے تو انہیں بری کیوں نہ ہو جانے دیا۔

اس سوال کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ مقدمہ پہلے سے انگریزی قانون کے تحت چل رہا تھا اس لئے اب اس کا تصفیہ بھی انگریزی قانون کے تحت ہونا چاہیے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ نظامِ اسلامی کے نفاذ کے بعد بھی یہ مقدمہ چل رہا ہے۔ اور بیشتر اہل رائے کا یہ خیال ہے کہ اگر اسلامی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جاتے تو مسٹر بھٹو اور دوسرے ملزمین کو سزائے موت نہیں ہوگی لیکن ہمارے حکمران طبقے کے لوگ چونکہ مسٹر بھٹو کے سیاسی دشمن سمجھے جاتے ہیں اس لیے وہ نہیں چاہتے کہ مسٹر بھٹو بچ جائیں اور پھانسی نہ پائیں۔ اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ نہیں جناب یہ تو حکومت اور حکومت میں شامل جماعتوں پر بہتان ہے۔ وہ تو صرف یہ کہتی ہیں کہ قانون کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے تو اس پر یہ کہا جاسکتا ہے۔ اگر چوری، زنا، ڈکیتی اور الزام تراشی کے جرائم پر اسلامی شرع کے مطابق مقدمات چلائے جاسکتے ہیں تو مسٹر بھٹو نے کیا قصور کیا ہے ان پر اسلامی طریقے سے مقدمہ کیوں نہ چلایا جائے ؟ بڑی آسانی سے ایک شریعت بنچ مقرر کی جاسکتی ہے جو زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے اندر اس مقدمہ کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں وعدہ معاف گواہ کا کوئی تصور نہیں اور جس طرح کی شہادتوں پر مسٹر بھٹو اور میاں عباس اور اس مقدمہ میں ماخوذ دوسرے افراد کو انگریزی قانون کے تحت مجرم قرار دیا گیا ہے اسلامی شرع اور طریقِ شہادت کے مطابق شاید یہ ممکن نہ ہو۔ اس لیے جو لوگ مسٹر بھٹو کے حامی ہیں یا ان سے انسانی بنیاد پر ہمدردی رکھتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ وہ موت کی سزا کے حقدار نہیں وہ سب اس کا مطالبہ کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں کہ اب بھی وقت ہے کہ یہ پورا مقدمہ اسلامی عدالت میں اسلامی قوانین کے مطابق چلایا جائے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں مسٹر بھٹو کی بریت، جاں بخشی اور رہائی ممکن ہے جب کہ وہ تمام افراد جو مختلف وجوہ کی بنا پر مسٹر بھٹو کے مخالف ہیں اور انہیں ہر صورت میں پھانسی پر لٹکتا دیکھنے کے خواہش مند ہیں وہ کہتے ہیں کہ بس مقدمہ چل چکا۔ اب انگریزی قانون کے تحت ہی اس کا فیصلہ ہونا چاہیے، بلکہ اگر صدر ضیاالحق مسٹر بھٹو کو معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں تو ان کی خواہش یہ ہوگی کہ صدر انہیں معاف نہ کریں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بیرونی ممالک کے سربراہوں کی جانب سے جان بخشی کی اپیلوں کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دے رہے ہیں۔

آخر یہ کون سا جذبہ ہے جو یہ جانتے ہوئے کہ اگر مسٹر بھٹو پر اسلامی شرع کے تحت مقدمہ چلایا جاتے تو جو شواہد اب تک پیش کئے گئے ہیں ان کے پیشِ نظر ان کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی اس لئے اس پر زور دیا جاتا ہے کہ یہ مقدمہ تو صرف انگریزی قانون کے تحت چلے گا، کیونکہ بصورت دیگر ان کے بچ جانے کا اندیشہ ہے کیوں بھائی اگر قتل کے جرم میں بھی اسلامی حدود نافذ ہو جائیں اور قرآن و سنت کے مطابق لوگوں کو انصاف ملے تو اس میں کیا ہرج ہے؟ اگر قرآن و سنت کے مطابق مسٹر بھٹو بری ہو جاتے ہیں تو اس میں آپ کو شکایت کیوں ہونی چاہیئے۔ یہ تو اسلام کے سلسلہ میں انتہائی بدنیتی کا مظاہرہ ہے کہ اسلامی قانون عدل کو قتل کے جرم کے سلسلے میں ابھی نافذ نہ ہونے دیا جائے کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو مسٹر بھٹو سزائے موت سے بچ جائیں گے؟ یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ اسلامی قوانین کے نفاذ یا عدم نفاذ کو اپنی نجی خواہشات یا مصلحتوں کا تابع بنایا جائے۔ سب سے زیادہ افسوسناک طرزِ عمل حکومت میں

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

اسلامی معاشی نظام نہیں سرمایہ داری نظام کا تحفظ

امیروں سے زکوٰۃ بھی نہیں لی جائیگی اور ٹیکسوں میں بھی کمی کر دی جائیگی

غریب اور امیر کے لئے معاشی نظام کے دوہرے معیار

محمد جمیل

برصغیر کے مسلمانوں نے اکثریت کے ہاتھوں اپنے سماجی اور معاشی حقوق کی پامالی کے ردعمل کے طور پر ایک علیحدہ مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا جہاں انہیں انصاف مل سکے، تعلیم، روزگار نیز ہر شعبے میں مساوی مواقع میسر ہوں اور مجموعی طور پر ایک بہتر زندگی کی ضمانت مل سکے۔ پچھلے تیس سالوں میں اس ملک کے غریب عوام پر جو واردات مسلسل کی گئی ہے اور جس طرح انہیں پسماندگی اور ظلم کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا ہے وہ ایک کھلی کتاب ہے سابقہ حکومتوں کی طرح موجودہ حکمراں جماعتیں بھی تمام تر تباہی کی ذمہ دار پچھلی حکومت کو ٹھہراتی ہیں اور ساتھ ہی اسلام کے نام پر جو خلفشار پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ان کی موجودگی میں ان کے مخصوص برانڈ کی نفاذِ شریعت کے سلسلے میں کئے گئے اقدامات کے ممکنہ اثرات کا جائزہ لیا جائے کیونکہ چند دنوں بعد جب انہیں رخصت کر دیا جائے گا تو ان کی "حسن کارکردگی" کے چرچے عام ہوں گے بہرحال پیشگی طے شدہ پروگرام کے عین مطابق حکمران جماعتوں نے خوشی کے شادیانے بجائے اور بیان بازی کی حد تک ملک کو خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

مقام حیرت ہے کہ اس قدر "قابل اور عالم فاضل" وزراء کی موجودگی میں سود کے نظام کو جاری رہنے دیا گیا جس کے بارے میں پیغمبر اسلام نے مذمت ان الفاظ میں کی ہے: "سود کھانے والا، سود کھلانے والا، اس کی دستاویز لکھنے والا اور اس پر گواہی دینے والے پر لعنت اور یہ سب برابر ہیں"۔ سورۃ البقرہ میں یوں ارشاد ہوا، "اے اہلِ ایمان اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سودی مطالبات باقی رہ گئے ہیں ان کو اگر تم درحقیقت مومن ہو تو چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تمہیں اللہ اور رسول سے جنگ کی وارننگ دی جاتی ہے اگر تم توبہ کرو اور سودی معاملات سے باز آجاؤ تو تمہارے راس المال تمہارے ہیں۔ نہ تو تم زیادتی کرو نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے گی"۔

اس کے باوجود سودی روپیہ اور وہ بھی بچت کے کھاتوں پر زکوٰۃ کی وصولی کا حکم دے دیا گیا جو ایک سیدھے سادھے مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے یعنی اسی رقم پر سود دیا جائے گا اور اسی رقم پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ یہ بھی واضح نہیں کیا گیا کہ اگر آدمی مقروض ہوگا تو اس صورت میں زکوٰۃ نہیں لی جائے گی بلکہ بنکوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بچت کے کھاتے سے زکوٰۃ وضع کر لیں۔ فی الحال صورتحال یہی ہے کیونکہ ابھی تک سود کے خاتمے کے لئے اقدامات کا اعلان نہیں کیا گیا ماسوائے ہاؤس بلڈنگ کے قرضے اور این آئی ٹی یونٹ پر۔ جہاں تک ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کے قرضوں کا تعلق ہے اس پر "منافع" کرایہ کی شراکت کی بنیاد پر وصول کیا جائے گا۔ اس رعایت سے اس ملک کے غریب عوام جن کی بہت بڑی اکثریت ۲۰۰ سے ۴۰۰ روپے ماہوار پاتی ہے، فیضیاب نہ ہوسکیں گے۔ اس کا فائدہ ان چند خوش نصیبوں کو ہوگا جنہیں سستی قیمت پر پلاٹ الاٹ ہوں گے اور ساتھ ہی وہ صاحب حیثیت ہوں کیونکہ قرض انہیں کو ملتا ہے جو واپس کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ کچی آبادی والوں اور جھگی والوں کو پہلے کی طرح کیڑے مکوڑوں کی زندگی بسر کرنے پر اکتفا کرنا ہوگا کیونکہ کچی آبادی والوں کو لیز شدہ زمینوں پر قواعد کی رو سے قرضہ نہیں مل سکتا۔

حکومت اپنے نزدیک جو دوسرا "عظیم کارنامہ" تصور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ کے حصص پر ادارے نے جس منافع کی ضمانت دی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے اور پرانی پوزیشن بحال رکھی ہے جو کہ یقیناً نئی بات نہیں ہے۔ ہر ترقی پسند سودی نظام کی [illegible] ے گا کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد سود پر استوار ہے جس کے ذریعے انسان کے ہاتھوں انسان کا، ایک علاقے کے ہاتھوں دوسرے علاقہ کا اور ایک ملک کے ہاتھوں دوسرے ملک کا استحصال ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں بھوک، افلاس اور بیماری جیسی لعنتیں جنم لیتی ہیں۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ حکمران جماعتیں جاگیرداری اور سرمایہ داری کو "مشرف بہ اسلام" کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں کیونکہ یہ اس سلسلے کو منقطع کرنے کے لئے تیار نہیں جہاں سے حرام داخل ہوتا ہے یہ کسی صورت بھی سامراج سے رشتے ناطے توڑنے کے لئے تیار نہیں۔ حال ہی میں جماعت اسلامی کے نامزد وزیر پروفیسر خورشید احمد نے حصص میں شراکت کی بنیاد پر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ساتھ بڑے پیمانے پر تعاون کے امکانات کا ذکر کیا ہے۔ یہ وزیر موصوف کا خیالِ خام ہے کیونکہ یہ مالیاتی ادارے سامراجی ممالک کی سرپرستی میں چلتے ہیں جن کا مقصد کمزور قوموں کو معاشی طور پر محکوم بنانا ہے ایک طرف ان سے خام مال سستے داموں حاصل کر کے اپنی مصنوعات گراں قیمت پر کھپانے کی منڈیاں بنانا اور دوسری طرف معاشی بالادستی حاصل کر کے انہیں معاشی طور پر مفلوج کرنا ہے۔ اسی صورت میں یہ ممالک اپنے مزدوروں کو ایک بہتر معیارِ زندگی کی ضمانت دیتے ہیں اور سرمایہ داروں کو کثیر رقم منافع کی شکل میں دے سکتے ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے ممالک سرمایہ کاری کے خواہشمند بھی ہوں گے تو وہ اس جگہ سرمایہ کاری کریں گے جہاں زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہوگا یعنی ان ممالک میں جہاں کی مصنوعات پوری دنیا کو برآمد کی جاتی ہیں اور تمام روپیہ سمٹ کر وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس سرمایہ دارانہ معیشت کے اصول کا ایک عام قاری کو بھی بخوبی علم ہے۔ بات صاف ظاہر ہے کہ سود جاری و ساری رہے گا۔ دوسرے ممالک سے قرضہ جات پر بھی سود ادا کیا جائے گا۔ سرمایہ دار بھی سود دیتے اور لیتے رہیں گے۔ صرف غریبوں کو سود لینے کی پابندی ہوگی اور ان کے لئے اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ ملک کے سرمایہ داروں جن کی اکثریت ٹیکس کی چوری، بددیانتی، لوٹ مار میں ملوث رہی ہے اور جو صحیح منافع ادا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ صورتحال یوں پیدا ہوتی ہے کہ چھوٹی آمدنی والے، درمیانہ طبقہ کے لوگ اور خصوصاً تنخواہ دار ٹیکس میں بچت کے لئے این آئی ٹی کے حصص خریدتے ہیں۔ یہ ادارہ بالآخر یہ جمع شدہ رقم مختلف کمپنیوں میں لگاتا ہے اور یہ روپیہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں حصہ دار کو کبھی صحیح منافع نہیں مل سکتا۔ اسی طرح بچت کے کھاتوں کی رقم بھی سرمایہ دار ہی استعمال کرتے ہیں کیونکہ انہیں ہر وقت مزید رقم کی ضرورت رہتی ہے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر سکیں۔

ان تمام خدشات کے باوجود غریب عوام نے اس پر کوئی

باقی صہ ۴۸

اسلام آباد

بلدیاتی انتخابات کا منصوبہ ترک

عام انتخابات پہلے ہونگے

ذوالفقار حیدری

پندرہ روز میں صرف ایک بنک سے ۲۰ ہزار سیونگ اکاؤنٹس ختم ہوگئے

پاکستان قومی اتحاد نے مارشل لاء حکومت کو بہتر بنیادوں پر تعاون جاری رکھنے کے لئے جو شرائط پیش کی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عام انتخابات سے پہلے بلدیاتی انتخابات نہ کرائے جائیں۔ یہ شرط جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان نے مان لی ہے اور اس کی ہی روشنی میں تمام صوبوں کے گورنرز کو لکھا ہے کہ وہ جولائی ۱۹۷۹ء سے زکوٰۃ اور عشر کی وصولی کے لئے بلدیاتی اداروں کے منتخب افراد کی جگہ اب اپنے طور پر اچھے افراد کی نامزدگیاں کر دیں اور جو جماعتیں مارشل لاء حکومت سے تعاون کر رہی ہیں صرف انہی کے افراد کو یا ان جماعتوں کی سفارش پر مختلف افراد کو نامزد کیا جائے اور اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ دوسری کسی جماعت کا کوئی فرد کسی بھی حالت میں ان کمیٹیوں میں نامزد نہ ہونے پائے جو زکوٰۃ اور عشر کی وصولی کے لئے قائم کی جا رہی ہیں۔ پاکستان قومی اتحاد نے مارشل لاء حکومت سے تعاون بہتر بنانے کی ایک اور شرط یہ رکھی ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی رحم کی اپیل پر اگر انہیں معاف کرنا مقصود ہو، تو صرف اس صورت میں یہ معاملہ کابینہ کے سامنے لایا جائے اور اگر رحم کی اپیل کو مسترد کر کے انہیں پھانسی دینا مقصود ہو تو یہ جنرل ضیاء الحق صاحب زیادہ سے زیادہ ملٹری کونسل کو اعتماد میں لے لیں۔ پاکستان قومی اتحاد کے وزراء کو اس سے معاف ہی رکھا جائے۔ اس شرط پر جنرل صاحب کا ردِ عمل معلوم نہیں ہو سکا البتہ ملٹری جنتا نے اس کا بڑا بُرا منایا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر پھانسی کا فیصلہ برقرار رکھا جائے تو ملٹری کونسل ہی کیوں ذمّہ دار ٹھہرے اب جبکہ قومی اتحاد ہر طرح سے حکومت میں شریک ہے، اور عام انتخابات کے لئے بھی اپنے وزراء کو استعفیٰ دلانے پر تیار نہیں ہے تو اسے یہ ذمّہ داری قبول کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ ملٹری جنتا کے قریبی ذرائع کا کہنا ہے

سونے کے بھاؤ 500/ روپے فی تولے تک پہنچ جائیں گے

کہ بھٹو کو معافی دینے کے سوال پر قومی اتحاد اس لئے اس فیصلہ میں شریک ہونے کو تیار ہے کہ بھٹو پر احسان کیا جا سکے اور عوام میں بھی سُرخرو رہا جا سکے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس شرط پر اپنے ردِ عمل سے جنتا نے جنرل صاحب کو آگاہ کر دیا ہے اور وہ خود کو پہلے کے مقابلے میں اب زیادہ پھنسا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ ملٹری جنتا کا کہنا ہے کہ قومی اتحاد ہمارے ساتھ سیاست چل رہا ہے انہیں ہمارا شکر گذار ہونا چاہیئے تھا اور تمام معاملات میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرنا چاہیئے تھا اگر وہ مشروط تعاون کرنا چاہتے ہیں تو پھر ان کو چاہیئے کہ وہ اقتدار سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ انہیں نفع نقصان میں برابر کا شریک ہونا چاہیئے کہ شراکت کا اصول ہی یہ ہے' یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ منافع میں تو برابر کے شریک' اور خسارہ کی ذمّہ داری شریک کرنے والے کی۔

جب سے جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی تعزیراتی نظام اور دوسرے اقدامات کا اعلان کیا ہے کچھ عجیب و غریب صورتحال پیدا ہو رہی ہے۔ زکوٰۃ کا نظام ابھی نافذ نہیں ہوا ہے مگر اس کی تشکل بنا دی گئی ہے کہ کیسے وصولی ہوگی۔ اسی لئے تو بنکوں میں جن لوگوں نے سیونگ اکاؤنٹس کھولے ہیں وہ اپنے اکاؤنٹ کو اس طرح ٹھیک کر رہے ہیں کہ اب کرنٹ ہی اکاؤنٹس ہوں بنکوں کے اعداد و شمار اس بات کے شاہد ہیں۔ صرف حبیب بنک میں پندرہ روز کے اندر ملک بھر میں ۲۵ ہزار نئے کرنٹ اکاؤنٹس کھولے گئے ہیں اور ۲۰ ہزار سے زائد سیونگ اکاؤنٹس بند کر دیئے گئے ہیں۔ یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ نئے اکاؤنٹس تو کھلتے ہی رہتے ہیں۔ ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سیونگ اکاؤنٹس بھی اسی تعداد میں ہر ماہ بند ہوتے ہیں بلکہ ہر ماہ کیوں؟ یہ اعداد و شمار صرف دو ہفتے کے ہیں اور کیا ان

سیونگ اکاؤنٹس سے ہر ماہ اسی قدر رقم واپس حاصل کی جاتی ہے۔ سیونگ اکاؤنٹس سے جو رقم نکالی گئی ہے اور کرنٹ اکاؤنٹس میں جو رقم جمع کرائی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ فرق کہاں گیا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ ہر ذہن میں اٹھتا ہے، ہم بتاتے ہیں کہ وہ فرق کہاں گیا۔ پچھلے پندرہ روز کے دوران پاکستان کی تاریخ میں سونے کی اتنی خریداری ہوئی ہے کہ اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ سونے کا نرخ ساڑھے آٹھ سو روپے تولہ سے ایسے ہی ایک ہزار بیس روپے تولہ تک نہیں جا پہنچا۔ سونے کا یہ نرخ عالمی منڈی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ سونے کے نرخوں میں چڑھاؤ کا یہ رجحان کسی عالمی صورت حال یا چین ویت نام کی جنگ کے نتیجے میں نہیں بلکہ پاکستان کے اندر ہی کی صورتحال کی وجہ سے ہے۔ صرافہ بازار پر نظر رکھنے والوں کا دعویٰ ہے کہ سونے کے یہ نرخ ڈیڑھ ہزار روپے تولہ تک جلدی ہی جا پہنچیں گے اور حکومت کا کوئی اقدام بھی سونے کے نرخوں میں چڑھاؤ کا یہ رجحان روک نہیں سکے گا۔ اس تمام صورت حال کا بہت زیادہ منفی اثر پاکستان کی غیر ملکی تجارت اور ادائیگیوں کے توازن پر پڑے گا۔ یہاں سوال یہ نہیں ہے کہ لوگ زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ لوگ اسلام میں کسی قسم کے فرق کو پسند نہیں کرتے، رہ گئی بات زکوٰۃ دینے کی تو لوگ باقاعدگی سے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اسلام میں فرق یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹس کے ہزار روپے پر تو زکوٰۃ زبردستی وصول کرلی جائے گی اور کرنٹ اکاؤنٹس میں اگر کروڑوں روپے بھی پڑے ہوں گے تو ان پر استثنیٰ ہے یہ کون سا اصول ہے۔ پھر عُشر تو کاشت کار سے وصول کر لیا جائے گا اور کارخانہ دار اور بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک جو ان سے لاکھوں روپے ماہانہ کماتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے سے یا ٹیکس سے مستثنیٰ ہوں گے یہ کون سے اصول کے تحت ہے۔ اس لئے ہی لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کہ زکوٰۃ ہم جیسے خود دیتے تھے اب بھی خود ہی دیتے رہیں گے۔ مگر اسلام میں کسی فرق کو ہرگز نہیں آنے دیں گے۔

پاکستان قومی اتحاد نے نظامِ مصطفیٰ کی تحریک چلائی جو بہت جلد مفادات کے تحت نظامِ اسلام کی تحریک میں تبدیل ہوگئی کہ نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ جماعت اسلامی کو کسی قیمت پر بھی قبول نہیں ہے۔ نظامِ اسلام کے نفاذ سے قبل اس قدر پراپیگنڈہ کیا گیا کہ خدا کی پناہ، بالآخر اسلام کی پہلی قسط نافذ کر دی گئی اور اس کے نفاذ پر جو مبارک سلامت کا شور اٹھا ہے اس کی آواز اب تک آرہی ہے اور آتی رہے گی۔ کچھ شعائر ایسے ہیں کہ اسلام میں ان کی گنجائش نہیں ہے مگر جس طرح مُلّاؤں کے اصول دوسروں کے لئے ہوتے ہیں اسی طرح حکومت کی پابندیاں بھی دوسروں کے لئے ہیں، سینماؤں میں ایسے مناظر کاٹ دینے پر زور ہے جن میں رقص ہے۔ آرٹس کونسل سے کہا گیا ہے کہ وہ رقص و موسیقی کا کوئی پروگرام نہ کریں۔ ٹی وی پر رقص کا خوبصورت پروگرام بیالے سب سے پہلے بند کیا گیا۔ یہ تمام اقدامات درست اور اپنی جگہ بالکل ٹھیک قرار پاتے اگر حکومت کی پالیسی یکساں ہوتی۔ ۲۱ فروری کی رات کو لیاقت میموریل ہال میں ایک محفلِ رقص و موسیقی سجی ہوئی ہے،

پاکستانیوں کے لئے رقص و موسیقی ممنوع

طائفوں کی غیر ممالک کو روانگی

سربراہِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق سے لے کر ایک معمولی خاکروب تک اس میں اس طرح آئے ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی گئی۔ پاکستان میں۔ بیرونِ ممالک کے سفیر بھی بھاری تعداد میں جمع ہیں اور وزارتِ قلم کے شعبہ ثقافت کے اعلیٰ ترین عہدیدار سے لے کر ادنیٰ ترین عہدیدار تک موجود ہیں۔ اس لئے بھی کہ یہ پروگرام بطورِ خاص مرتب کیا گیا ہے۔ پاکستان سے جو ثقافتی طائفہ مصر، اردن اور قطر کے دورہ پر جا رہا ہے اس کا ایک پروگرام صدرِ مملکت کے اعزاز میں منعقد کیا گیا ہے۔ طائفہ میں لاہور کی ہیرا منڈی کی ایک رقاصہ جو پاکستان کی فلم انڈسٹری کی ایک رقاصہ کی چھوٹی بہن ہے، بھی بطورِ خاص شامل کی گئی ہے۔ سات مردوں اور سات عورتوں پر مشتمل اس طائفہ میں یہ سب کے سب رقاص ہیں۔ سندھ سے خمیسو خان کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور شوکت علی بطور گلوکار طائفہ میں شامل ہیں۔ لاہور کی ہیرا منڈی کے ہی سازندے بھی ان فنکاروں کے علاوہ شامل گروپ ہیں۔ دو گھنٹے کے اس پروگرام کو محترم صدرِ مملکت نے دیکھا اور اور کئی جگہ خوش ہو کر تالیاں بھی بجائیں۔ انہوں نے تین چوتھائی سے زیادہ پروگرام دیکھا اور پھر اس کو اپنی منظوری دے کر روانہ ہو گئے۔ اگر رقص و موسیقی کے پروگرام پاکستان کے عوام نہیں دیکھ سکتے کہ یہ غیر اسلامی شعائر میں آتے ہیں تو پھر اخلاق اور قانون کے کس ضابطہ کے تحت یہ طائفہ بیرونِ ملک بھیجا گیا ہے اور اگر یہ سب ٹھیک ہے اور اس پر اسلام کے کسی اصول کی زد نہیں پڑتی تو پھر ان کا پاکستان میں داخلہ کیوں بند کیا گیا ہے اور ان بے چاروں کو اس سستی تفریح سے کیوں محروم رکھا گیا ہے کیا حکومت اپنے اس عمل کا کوئی جواز فراہم کر سکتی ہے؟

پاکستان میں صحافت جس قدر آزاد ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ یہ اعلان ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ اس اعلان کا مظاہرہ تو کئی بار ہوا کہ اپنی مخالف ہر آواز بند کر دی گئی۔ اس مظاہرہ کے آثار الفتح، معیار اور دوسرے جرائد کی صورت میں اب بھی برقرار ہیں۔ پچھلے دنوں شاہ کے وفادار اخبارات میں سے ایک اخبار نے اپنے ایک ایڈیٹوریل میں پریس ایڈوانس کے خلاف لکھا کہ حکومت نے واقعی پریس ایڈوانس جاری کی تھی۔ یہ بالکل صحیح سچے آزادیٔ صحافت کے دعویداروں کو سخت گراں گذرا اور انہوں نے اس کثیر الاشاعت اخبار کے اشتہارات بند کر دیئے۔ تین روز بعد یہ اشتہار جاری کر دیئے گئے۔ سخت ترین الفاظ میں تنبیہہ کی گئی اور آئندہ محتاط رہنے کا عہد اور حلف لیا گیا۔ اگر اب بھی اس اخبار نے کوئی گڑبڑ کی تو اس کا لاہور کا منصوبہ اور کراچی سے انگریزی کا ہفت روزہ نکالنے کا پروگرام ختم کر دیا جائے گا۔ نمونہ کی اس کارروائی سے دوسرے اخبارات نے بھی سبق حاصل کیا ہے کہ شریفوں کا اصول ہے کہ اگر بہو کو کچھ کہنا ہو تو بیٹی کے کان اینٹھ دیئے جاتے ہیں، بہو خود سمجھ جاتی ہے۔ اگر مخالف اخبارات نے چہیتے اخبار سے اس سلوک سے سبق حاصل نہیں کیا تو پھر ان کا خدا ہی حافظ ہے۔ ناعاقبت اندیش افراد سے کوئی ہمدردی بھی نہیں کرتا، بھلا اپنی عاقبت تھوڑی خراب کرنی ہے ہم تو الفتح اور معیار والوں سے بھی کہتے ہیں کہ وہ بھی اب سمجھ جائیں۔

*

حالات وہی ہیں جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت تھے

جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان
۶۵-ای سیٹلائیٹ ٹاؤن
راولپنڈی

۱۸ر فروری ۱۹۷۹ء

صدر جنرل محمد ضیا الحق
پریذیڈنٹ سکریٹریٹ
راولپنڈی

ڈیئر جنرل ضیا الحق

۱: آپ کو میں یہ خط سابق چیف آف دی آرمی اسٹاف کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ مسلح افواج سے میری طویل وابستگی مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں اپنے ملک کے بہترین مفاد میں ایسی تجاویز پیش کروں، جو اتحاد اور استحکام کا موجب ہوں۔ میں ہمیشہ سے اس امر کا سختی سے حامی رہا ہوں کہ مسلح افواج کو سیاست سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ اور انہیں ہمیشہ قانونی حکومت کی حمایت کا آئینی فرض ادا کرنا چاہیے۔ مسلح افواج کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے نہیں ملک سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا رویہ مکمل طور پر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہونا چاہیے اور انہیں عوام کا مکمل اعتماد حاصل ہونا چاہیے۔

۲: ہم مشرقی پاکستان کو علیحدہ ہوتے ہوتے دیکھ چکے ہیں لیکن میں اس کی علیحدگی کے اسباب کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ آدھے پاکستان (مشرقی پاکستان) کے عوام کا خیال تھا کہ مرکزی حکومت، جس پر مغربی پاکستان "موجودہ پاکستان" کی بالادستی تھی، ان سے منصفانہ رویہ نہیں رکھتی۔ پھر ہم نے چار سال تک بلوچستان میں (عوامی) ابھار اور "سست رو" تخریب کاری کا عمل دیکھا۔ اور اب ہمیں جان لینا چاہیے کہ اس صورتحال سے دشمن طاقتیں کس قدر ناجائز فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔

ہماری مغربی سرحدوں پر صورتحال دھماکہ خیز ہے۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ افغانستان میں کیا ہو رہا ہے، وہاں اب

مسلح افواج کی
وفاداری کو سنگین امتحان
میں نہ ڈالیے

جنرل ٹکا خاں کے
جنرل ضیا کے نام خط کا
مکمل متن

بھٹو کی سزائے موت منسوخ کر دیجیے
مزید مشکلات پیدا نہ کیجیے: ٹکا خان

بھٹو

حکمرانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ

نیوز ویک ۲۶ فروری ۱۹۷۹

ذوالفقار علی بھٹو نے پھانسی کا التوا حاصل کر لیا لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ صرف عارضی ہو۔ آخری لمحوں میں داخل کی جانے والی ایک قانونی اپیل کے جواب میں پاکستان کے سپریم کورٹ نے سزا یافتہ سابق وزیر اعظم کی پھانسی کے ۱۰ دن کے لیے التوا کے حق میں فیصلہ دیا جس کے دوران وہ فیصلہ کرے گا کہ ان کے معاملے پر آخری نظر ثانی کی درخواست منظور کرے یا نہ کرے۔ لیکن بھٹو کے حامی آخری نتیجے کے بارے میں پُر امید نہیں ہیں۔ بھٹو کے وکیل کی حیثیت سے یحییٰ بختیار نے کہا کہ "جج یہ بات سننا یا اس کا اعتراف کرنا پسند نہیں کرتے کہ وہ غلطی پر ہیں"۔

تازہ ترین قانونی اقدام میں سپریم کورٹ سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء میں ایک سیاسی قتل کا حکم دینے کی بنا پر انہیں دی جانے والی سزا کے خلاف بھٹو کی اپیل کو مسترد کرنے پر نظر ثانی کرے۔ ۹۷ صفحات پر مشتمل مختصر دفاعی درخواست، جو درخواست داخل کرنے کی مدت کے اختتام کے آخری لمحوں میں پیش کی گئی ہے، میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ ۴۔۳ فیصلہ شہادت سے غلط نتائج اخذ کرنے پر مبنی ہے۔ لیکن ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ عدالت اپنا فیصلہ تبدیل کرے گی۔ دوسری بار استرداد کے بعد بھٹو کے پاس آخری موقعہ یہ باقی رہ جائے گا کہ پاکستان کے حکمران جنرل محمد ضیاالحق سے معافی کا حکم حاصل کریں لیکن مبصرین کو یقین ہے کہ بھٹو کی مسلسل سیاسی مقبولیت سے بخوبی واقف ہونے اور اقتدار پر قبضے کے لئے ان کے خطرہ بنے ہونے کی وجہ سے ضیا یہ پسند کریں گے کہ قانون، جو ہو سکتا ہے کہ بے رحم معلوم ہو، اپنے تقاضے پورے کرے۔

بھی بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے، دیکھو ایران کی سلطنت کس طرح زوال پذیر ہو گئی۔ ان واقعات کے بعد بھی واقعات رونما ہوں گے۔ بھارت کبھی بھی ہمارا دوست نہیں ہو سکتا بلکہ وہ پسند کرے گا کہ ایسی صورت حال پیدا ہو جس سے ہم اندرونی معاملات میں ملوث اور کمزور ہو جائیں۔ پاکستان میں اندرونی جھگڑا، فساد اور مسلح افواج کا ملوث ہونا ہمارے دشمنوں کے مفاد میں ہے۔ ہم یقیناً ایسی صورتحال پیدا کرنا پسند نہیں کریں گے، ہمیں (عوام میں) مزید صف بندی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ اس سے ملک کا استحکام کمزور ہو گا اور اس کے نتیجے میں ملک ٹکڑے ٹکڑے بھی ہو سکتا ہے۔

۳: اب میں پاکستان کے سابق صدر اور وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ سپریم کورٹ نے ۴۔۳ کے اکثریتی فیصلے کے ذریعے مسٹر بھٹو کی سزائے موت کو بحال رکھا ہے۔ اس فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست اب اسی عدالت کے سامنے موجود ہے۔ مختلف ججوں کی آراء میں اختلاف اتنا واضح ہے کہ آپ صدر پاکستان کی حیثیت سے ان مشکلات اور الجھنوں کے رُخ کا اندازہ کر سکتے ہیں جو پیدا ہو سکتی ہیں اور جن کی نشاندہی غیر ملکی پریس اور ریڈیو پہلے ہی کر چکا ہے۔ موجودہ بحرانی صورتحال کے سبب ہمارے عوام کی اکثریت کسان، مزدور، وکلاء طالب علم اور دیگر ترقی پسند عناصر مستقبل کے بارے میں مایوس ہو چکے ہیں۔ اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہیں۔ ان عناصر کی تعداد ہماری قوم میں تقریباً ۹۰ فیصد ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ اپنی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی مدد سے قوم کے خیالات سے لازماً باخبر ہوں گے اور قوم کی نبض کی دھڑکنوں کو محسوس کر رہے ہوں گے۔

۴: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بحران کا مکمل حل مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ختم کر دینے میں مضمر ہے یا ان کی زندگی بچا لینے میں، تقریباً ہر غیر ملکی سربراہِ مملکت اور سربراہِ حکومت نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی ان عظیم خدمات کے پیشِ نظر جو انہوں نے پاکستان، اسلام، دنیائے عرب، تیسری دنیا اور بین الاقوامی بھلائی اور اخوت کے لئے انجام دی ہیں، ان کی جان بخشی کی اپیلیں کی ہیں۔

۵: چنانچہ میں کسی ذاتی اور جماعتی مفاد سے بالاتر ہو کر قومی مفادات کے پیشِ نظر آپ سے رجوع کر رہا ہوں کہ آپ اپنے دستوری اختیارات استعمال کریں کہ سابق صدر پاکستان اور وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت منسوخ کر دیں۔ یہ استدعا کرتے وقت میرے ذہن میں پاکستان کا اتحاد، سالمیت، سلامتی اور استحکام پیشِ نظر ہے ہم مسلح افواج کی عزت اور وقار بچانا چاہتے ہیں۔ اور ایسے حالات پیدا نہیں کرنے چاہئیں، جو مسلح افواج کی وفاداری کو سنگین امتحان میں ڈال دیں۔

۶: مجھے یقین کامل ہے کہ سزائے موت کی منسوخی سے ملک پر صحت مند اثرات مرتب ہوں گے، اعتماد بحال ہو گا، اور موجودہ مایوسی اور غیر یقینی صورت حال ختم ہو جائے گی افواہوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہمارے پیارے پاکستان کے اتحاد کی ضمانت مل جائے گی۔ پاکستان جس کے لئے تقریباً دس لاکھ افراد نے اپنی جانوں کی قربانیاں دیں، لاکھوں افراد نے اپنے گھر بار کو چھوڑا۔ اور اس ملک میں پناہ لی۔

۷: آیئے! ہم کسی بھی تعصب یا ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ دیں اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی بچائیں جو پاکستان کے مستقبل کے لئے انتہائی قیمتی ہے۔

آپ کا مخلص

جنرل (ریٹائرڈ) ٹکا خان

بتوسط: سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی

نمائندہ خصوصی

جسٹس وحیدالدین کی علالت سے صحت یابی تک

وہ گھر منتقل ہو چکے تھے سوبھی صاحب انہیں ہسپتال میں زیر علاج بتا رہے تھے

۲۴ فروری کو سپریم کورٹ آف پاکستان نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے دائر کردہ وہ درخواست مسترد کردی جس میں استدعا کی گئی تھی کہ جسٹس وحیدالدین اور جسٹس قیصر خان کو بھی نظر ثانی کی اپیل کی سماعت کرنے والے بنچ میں شامل کیا جائے.

جب سپریم کورٹ آف پاکستان نے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے خلاف مسٹر بھٹو کی اپیل کی سماعت شروع کی تو سپریم کورٹ کا فل بنچ ۹ ججوں چیف جسٹس مسٹر جسٹس انوارالحق، مسٹر جسٹس محمد اکرم، مسٹر جسٹس دراب پٹیل، مسٹر جسٹس محمد حلیم، مسٹر جسٹس صفدر شاہ، مسٹر جسٹس کرم الٰہی چوہان، مسٹر جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ، مسٹر جسٹس قیصر خان اور مسٹر جسٹس وحیدالدین احمد پر مشتمل تھا لیکن مسٹر جسٹس قیصر خان ۳۰ جولائی ۱۹۷۸ء کو ریٹائر ہو گئے اس طرح فل بنچ میں آٹھ جج رہ گئے پھر نومبر ۱۹۷۸ء کے تیسرے ہفتے میں مسٹر جسٹس وحیدالدین بیمار ہو گئے اور پھر وہ دوبارہ بنچ میں شامل نہیں ہو سکے اپیل کی سماعت سات ججوں پر مشتمل بنچ کرتا رہا جس نے ۶ فروری ۱۹۷۹ء کو ۴-۳ کے اکثریتی فیصلے کے ذریعے لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کی توثیق کردی۔

مسٹر جسٹس وحیدالدین احمد جن کے عہدے کی میعاد مئی ۱۹۷۹ء میں پوری ہونے والی تھی نومبر ۱۹۷۸ء میں بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے مسٹر بھٹو کی اپیل کی سماعت ہفتہ تک کے لئے ملتوی کردی. سرکاری خبر رساں ادارے اے پی پی نے اطلاع دی۔ سپریم کورٹ نے نواب محمد احمد قتل کیس میں اپیلوں کی سماعت فل بنچ کے ایک رکن جناب جسٹس وحیدالدین کی ناسازئ طبع کی وجہ سے ہفتہ ۲۵ نومبر تک کے لئے ملتوی کردی." (جنگ ۲۲ نومبر ۱۹۷۸ء)

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر جسٹس وحیدالدین کو ۲۲ نومبر ۱۹۷۸ء کو سی ایم ایچ راولپنڈی میں لے جایا گیا اور ان کے علاج کے لئے حکومت نے دو ڈاکٹروں پروفیسر مشتاق اور پروفیسر افتخار کو مقرر کیا حکومت نے ان کے علاج میں اتنی دلچسپی لی کہ صدر پاکستان کے معالج کرنل محمود کو بھی متعین کیا گیا۔ انہوں نے یہ پابندی لگادی کہ کوئی شخص بھی مسٹر جسٹس وحیدالدین سے نہیں ملے گا. حد یہ ہے کہ ان کے خاندان والوں اور خصوصاً ان کے صاحبزادے ڈاکٹر مجیب (جو پی آئی اے میں ملازم ہیں) کو بھی ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مبینہ طور پر بتایا جاتا ہے کہ جب ڈاکٹر مجیب نے اپنے والد محترم کو دیکھنے کے لئے اصرار کیا. تو ان سے ناروا رویہ اختیار کیا گیا اور بتانے والے یہ بھی بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر مجیب اور صدر پاکستان کے معالج کرنل محمود میں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی. باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پروفیسر افتخار نے (جو ڈاکٹر مجیب کے استاد رہ چکے ہیں) جج صاحب کے صاحبزادے کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے والد کو سی ایم ایچ راولپنڈی میں زیر علاج نہ رہنے دیں اور انہیں کراچی لے جائیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مجیب سی ایم ایچ کے ڈاکٹروں کی مخالفت کے باوجود انہیں ۳ دسمبر ۱۹۷۸ء کو کراچی لے آئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسٹر جسٹس وحیدالدین اسٹریچر پر نہیں بلکہ پی آئی اے کے طیارے کی سیٹ پر بیٹھ کر کراچی آئے اور انہیں کراچی میں امراض قلب کے نیشنل انسٹیٹیوٹ میں داخل کردیا گیا.

۵ دسمبر ۱۹۷۸ء کے روزنامہ جنگ کراچی میں مسٹر جسٹس وحیدالدین احمد کے بارے میں دو خبریں شائع ہوئیں ایک خبر میں کہا گیا "سپریم کورٹ کے جج مسٹر جسٹس وحیدالدین کراچی میں امراض قلب کے انسٹیٹیوٹ میں زیر علاج ہیں رات گئے اسپتال کے ذرائع نے بتایا کہ ان کی حالت پہلے سے بہتر ہے"

دوسری خبر سپریم کورٹ کی کارروائی کے بارے میں تھی جس میں کہا گیا تھا کہ چیف جسٹس مسٹر جسٹس انوارالحق نے کہا کہ طبی ماہرین کی رپورٹوں پر بار بار غور کرنے اور عدالتی ذہن سے جائزہ لینے کے بعد عدالت کے سات ججوں کی یہ رائے ہے کہ مسٹر جسٹس وحیدالدین موجودہ مقدمے کی سماعت میں ہمارے ساتھ دوبارہ شریک نہیں ہو سکتے مسٹر جسٹس انوارالحق نے کہا کہ یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ بنچ اس مشکل اور پیچیدہ مقدمے کا فیصلہ کرنے میں ایک ممتاز جج کی دانش اور رہنمائی سے محروم ہو گئی ہے"

چیف جسٹس نے کہا۔ "یہ بات غیر یقینی ہے کہ فاضل جج مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے اور اگر وہ پوری طرح صحت یاب ہو بھی گئے تو انہیں دو ماہ تک آرام کی ضرورت ہوگی اور یہ بھی غیر یقینی ہے کہ وہ اس کے بعد بھی اپنے فرائض انجام دے سکیں گے یا نہیں۔"

جناب بھٹو کے اٹارنی جناب یحییٰ بختیار نے کہا شروع میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ پوری عدالت موجودہ اپیل کی سماعت کرے گی بدقسمتی سے ایک جج سماعت کے دوران ریٹائر ہو گئے اب ایک اور جج بیمار ہو گئے مسٹر جسٹس وحیدالدین نے چار سے چھ ہفتے تک کے التوا کی درخواست کی ہے اس مدت کے لئے اگر سماعت ملتوی کردی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے چیف جسٹس نے کہا مسٹر جسٹس وحیدالدین احمد نے مجھے لکھا ہے کہ وہ چار سے چھ ہفتے تک عدالت میں نہیں آسکیں گے اگر عدالت ان کا انتظار کر سکتی ہے تو ٹھیک ورنہ چیف جسٹس بنچ کی از سر نو تشکیل کر کے مقدمے کا فیصلہ کر سکتے ہیں" جناب یحییٰ بختیار نے کہا کہ عدالت کو مسٹر جسٹس وحیدالدین کا انتظار کرنا چاہیئے جس کی انہوں نے درخواست کی ہے یہ واحد طریقہ ہے اور عدالت سماعت جاری نہیں رکھ سکتی. عدالت نے مسٹر یحییٰ بختیار کو ہدایت کی کہ وہ کل اس نکتے پر عدالت سے خطاب کریں۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

فیصلے کے وقت مقررہ ارکان کی پوری تعداد کا ہونا ضروری ہے

سپریم کورٹ آف پاکستان کے نام

ممتاز قانون دان فتحیاب علی خان کا تار

۱: مسٹر جسٹس انوار الحق ——— چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان۔ راولپنڈی۔

۲: مسٹر جسٹس محمد اکرم ——— جج سپریم کورٹ آف پاکستان راولپنڈی۔

۳: مسٹر جسٹس محمد حلیم ——— جج سپریم کورٹ آف پاکستان راولپنڈی

۴: مسٹر جسٹس دوراب پٹیل ——— جج سپریم کورٹ آف پاکستان راولپنڈی

۵: مسٹر جسٹس جی صفدر شاہ ——— جج سپریم کورٹ آف پاکستان۔ راولپنڈی

۶: مسٹر جسٹس نسیم حسن شاہ ——— جج سپریم کورٹ آف پاکستان۔ راولپنڈی

۷: مسٹر جسٹس کرم الٰہی چوہان ——— جج سپریم کورٹ آف پاکستان۔ راولپنڈی۔

۸: رجسٹرار ——— سپریم کورٹ آف پاکستان راولپنڈی

۹: مسٹر یحییٰ بختیار ——— بتوسط رجسٹرار سپریم کورٹ آف پاکستان۔ راولپنڈی۔

۱۰: مسٹر اعجاز بٹالوی ——— بتوسط رجسٹرار سپریم کورٹ آف پاکستان راولپنڈی۔

۸ فروری ۱۹۷۹ء کو بذریعہ تار ارسال کردہ میری درخواست اور استدعا کے سلسلے میں میں مزید حسب ذیل باتیں پیش کرنے کا خواستگار ہوں۔ دوسرے شدید نوعیت کے عدلی تنازعات کے علاوہ میں نے اس موقف کا اظہار کیا تھا کہ وہ عدالت جس نے زیڈ اے بھٹو اور دوسرے ۴ افراد کی اپیلیں سنیں اور فیصلہ کیا، وہ نامکمل کورم کا شکار تھی۔ چونکہ سپریم کورٹ، کورٹ آف اپیل کی حیثیت میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی میں مشغول ہے اور مجھے ابھی تک بذریعہ نوٹس طلب نہیں کیا گیا ہے، اس لئے میں آپ معزز حضرات کے سامنے کورم کے نامکمل کے اپنے موقف کے بارے میں اپنے مختصر دلائل ریکارڈ اور آئندہ نسلوں کے لئے پیش کرتا ہوں تاکہ عدلی تاریخ میں یہ بات محفوظ نہ ہو جائے کہ اس سقم کی طرف عدالت کو توجہ نہیں دلائی گئی تھی۔ کورم تمام قانونی اداروں کے لئے ایک قانونی ضرورت ہے۔ ابتدائی قسم کی لغات میں بھی کورم کی یوں تعریف کی گئی ہے، اراکین کی وہ مقررہ تعداد جس کا موجود ہونا لازمی ہوگا کہ کارروائی جائز (موثر) ہو، اور کورم کی اس تعریف کا اطلاق کسی اور ادارے کی بہ نسبت کسی عدالتِ قانون پر زیادہ سختی کے ساتھ کیا جانا چاہیئے۔

پاکستان کے آئین کی دفعہ ۱۷۶ میں کہا گیا ہے۔ سپریم کورٹ، چیف جسٹس اور اتنے دوسرے ججوں پر مشتمل ہوگا جس کا پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے سے تعین کیا جائے گا یا اس طرح تعین ہونے تک جو تعین صدرِ پاکستان کرے، پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کی غیر موجودگی میں صدر نے سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد ۹ مقرر کی تھی۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے اپنی انتظامی حیثیت میں سپریم کورٹ کے رولز کے آرڈر ۱۱X کے تحت زیڈ اے بھٹو کی اپیل فل کورٹ (مکمل عدالت) کے حوالے کی تھی اور (ننکٹس آفیشیو اپنے عہدے کے فرائض کی ادائیگی کے بعد قانوناً معدوم) ہو گئے تھے اور مذکورہ اپیل بنچ میں عدالت کا کورم، فل کورٹ (مکمل عدالت) تھا۔

آئین کی دفعہ ۱۸۲ کا تعلق سپریم کورٹ کے ججوں کے کورم کی عدم موجودگی سے پیدا ہونے والی صورتحال سے ہے اور ایڈہاک (عبوری) ججوں کے تقرر کی گنجائش فراہم کرتی ہے۔ مسٹر جسٹس قیصر خان کے ریٹائرمنٹ کے ساتھ ہی کورٹ آف اپیل کا کورم برقرار نہیں رہا۔ پھر اس کے بعد مسٹر جسٹس وحید الدین کے اپنے عہدے کے فرائض کی انجام دہی کے قابل نہ رہنے اور غیر موجودگی اور علیحدگی سے کورٹ آف اپیل کے کورم کی عدم موجودگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

مزید یہ کہ ۶ فروری کے فیصلے کی وجہ سے عدالت کے کورم کی غیر موجودگی اتنی زیادہ نمایاں ہو گئی کہ جسے کوئی قانون دان نظر انداز نہیں کر سکتا۔ یہ اپیل کنندگان اور استغاثے کے وکلا کا فرض تھا کہ اس صورتِ حال کو وضاحت کے ساتھ عدالت کے سامنے پیش کرتے یا عدالت از خود اس پر غور کرتی۔ مسٹر جسٹس وحید الدین کو کے ناقابل ہو جانے کے سوال کے بارے میں چیف جسٹس کے حکم کو میں نے بغور پڑھا ہے۔ اس حکم میں نہ تو کورم کا سوال اٹھایا گیا ہے نہ ہی اس پر کوئی فیصلہ کیا گیا ہے۔ چیف جسٹس، جو کورٹ آف اپیل کے سربراہ کی حیثیت سے اجلاس کر رہے تھے، کا حکم قانونی اور آئینی نقائص کا شکار ہے اور قانونی طور پر معدومی کی حالت میں جاری کیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک بار کورم کا تعین کرنے کے بعد فاضل چیف جسٹس یا بقیہ جج صاحبان جن کا غور و خوض کورم کی غیر موجودگی کا شکار تھا، موثر قانونی اور آئینی طور پر عدالت کے ججوں کے کورم میں تخفیف نہیں کر سکتے تھے۔ بنابریں وہ فیصلہ جو ۶ فروری کو صادر کیا گیا ایسا فیصلہ بن گیا ہے جو "کورم نان جوڈس" (نہ ججوں کے روبرو نہ عدالت کے) ہے۔ میں اس معاملے میں مداخلت نہ کرتا اگر یہ قوانین وضع نہ کرتا اور مجھ پر ایک وکیل اور ایک شہری کی حیثیت میں اثر انداز نہ ہوتا۔ استدعا ہے کہ اسے بھی اپیلوں کے ریکارڈ پر رکھا جائے۔

فتحیاب علی خاں

بسلسلہ پٹیشن آر۔ ۱/۷۹

★

میں موت کی کوٹھڑی میں مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا، بھٹو

روزنامہ عرب نیوز جدہ - ۱۲ فروری ۱۹۷۹ء

بھٹو کی نئی کتاب بھارت میں شائع ہوگئی

"میں ایک قوم کو بنانے اور عوام کی خدمت کے لیے پیدا ہوا ہوں۔" پاکستان کے معزول وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو لکھتے ہیں۔ "میں موت کی کوٹھڑی میں مرجانے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔"

۸۰ ہزار الفاظ پر مشتمل ایک عرضداشت جو سپریم کورٹ آف پاکستان کے نام لکھی گئی تھی' راولپنڈی جیل سے اسمگل کردی گئی اور اس ہفتے بھارت میں وکاس پبلشنگ ہاؤس نے اسے کتابی شکل میں شائع کردیا۔ پہلے اس کی طباعت پاکستان میں کرانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن فوجی حکومت نے اس کی اشاعت پر پابندی لگادی

یہ بیان جس عدالت کے لئے لکھا گیا تھا' اسی عدالت نے ۶ فروری کو ۴-۳ کے فیصلے کے ذریعے قتل کے الزام میں بھٹو کی سزائے موت بحال رکھی۔ بھٹو کی مذکورہ بالا کتاب درحقیقت' اس سرکاری وہائٹ پیپر کا جواب ہے' جس میں سرکار نے معزول بھٹو حکومت کی مبینہ دھاندلیوں کو بے نقاب کیا تھا۔

اس کتاب کا نام "اگر مجھے قتل کردیا گیا" ہے۔ یہ کتاب ۵۱ سالہ بھٹو کی ذہانت' ذاتی فلسفے' جوش' ولولے' رجحانات اور نظریات کے بارے میں بہت کچھ بتاتی ہے۔ "یہ شاہکار نہیں بلکہ یہ خالص بھٹو ہے" ان کے ایک سابق ساتھی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا' اس نے اس کی سائیکلو اسٹائل کاپی پڑھی تھی' جسے خفیہ طور پر اسلام آباد میں تقسیم کیا گیا تھا۔

"میں ہی وہ واحد شخص ہوں' جو مکمل تباہی کے راستے پر گامزن لوگوں کو واپس لا سکتا ہوں' بچا سکتا ہوں" میں عوام کو آزادی اور وقار دلانے اور انہیں باعزت اقوام کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے پیدا ہوا تھا' بھٹو لکھتے ہیں۔

اس کتاب میں بھٹو نے الیکشن مارچ ۱۹۷۷ء میں دھاندلی کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اپنی حکومت کی آئندہ پالیسیوں کے بارے میں انکشافات کیئے ہیں۔

جب مسٹر بھٹو وزیر اعظم تھے' تو ان کی حکومت نے فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ کیا تھا۔ اور اعلان کیا تھا کہ اس پلانٹ کو پُرامن مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ لیکن اس کتاب میں پلانٹ کے حقیقی استعمال کے بارے میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ اس (ری پلانٹ) کے ذریعے "مسلم" پاکستان' ایٹمی ہتھیار بنانے کی" عیسائی' یہودی اور ہندو اجارہ داری اور صلاحیت کو توڑنا چاہتا تھا۔

"ہم مکمل ایٹمی صلاحیتوں کی منزل حاصل کرچکے تھے کہ مجھے موت کی کوٹھڑی میں آنے کے لئے حکومت چھوڑنی پڑی" مسٹر بھٹو لکھتے ہیں کہ "صرف اسلامی دنیا کے پاس (ایٹمی صلاحیت) نہیں تھی لیکن اب صورتحال تبدیل ہونے والی تھی۔"

جولائی ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاالحق نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹا' اس وقت سے حکومت فرانس نے اس (ری پلانٹ) کے معاہدے میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔

بھٹو نے امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن اور اپنا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں اس لئے "معزول" کیے گئے کہ وہ دونوں ہی اپنی اپنی حکومتوں کو منظم کرنے کے لئے انقلابی منصوبے بنا چکے تھے۔ بھٹو لکھتے ہیں کہ "مماثلت اس قدر ہے کہ اس نے مجھے حیران کردیا۔"

یہ کتاب دراصل ایک خود نوشت سوانح عمری بن گئی ہے کیونکہ مسٹر بھٹو نے اپنی زندگی کے بعض اہم واقعات تحریر کیے ہیں۔ یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ سات سال کے تھے تو انہوں نے اپنے والد کی موجودگی میں ایک برطانوی افسر سے کہا۔ "تم اس لئے سرخ و سپید ہو کہ تم نے ہمارے خوبصورت ملک کا خون چوسا ہے۔"

یہ برطانوی افسر' بمبئی کا گورنر تھا۔ اس نے بھٹو کے والد سے کہا۔ "تمہیں اس بیٹے کے روپ میں ایک شاعر اور ایک انقلابی مل گیا ہے۔"

اس کتاب میں بھٹو نے ان ممکنہ خطرات کی نشاندہی بھی کی ہے جو سزائے موت پر عمل درآمد کی صورت میں پیش آسکتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ "میری زندگی سے زیادہ اور بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی غلطی نہ کرنا' پاکستان کا مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔"

کتاب کے آخری حصہ میں وہ بتلاتے ہیں کہ سیاسی رہنماؤں کو پھانسی دینے کی وجہ سے ایک مسلم ملک ترکی کس قدر اور کتنا غیر مستحکم ہوگیا۔ اور اگر انہیں تختہ دار پر لٹکایا گیا تو پاکستان بھی ترکی جیسی صورتحال

سے دوچار ہو سکتا ہے۔

سابق صدرِ پاکستان ایوب خان نے ۱۹۶۰ء میں بھٹو کو انقرہ بھیجا تھا کہ وہ ترکی کے ان تین سول سیاسی رہنماؤں کی جان بخشی کی اپیل کریں، جنہیں نئی فوجی حکومت نے سزائے موت سنا دی تھی۔

بھٹو نے جنرل گرسل سے ہونے والی گفتگو کا ذکر کرتے ہوتے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا تھا: "مسٹر پریذیڈنٹ سر! ترکی کے مسائل، سزائے موت پر عمل درآمد سے شروع ہوں گے۔" **

بھٹو شہید یا ....؟

ڈیلی عرب نیوز، جدہ
۱۲ فروری ۱۹۷۹ء

ذوالفقار علی بھٹو پچھلے ہفتے سپریم کورٹ کی طرف سے ان کی سزائے موت کے برقرار رکھے جانے کے بعد جیل کی سلاخوں کے پیچھے عالمِ انتظار میں ہیں جب کہ متصادم جذبات کی دھماکہ خیز فضا ان کے مقدّمے کے اطراف چکرا رہی ہے۔

ان کے حامی، جن کی تعداد لاکھوں میں بتائی جاتی ہے، بے چینی کے ساتھ یہ توقع کرتے ہیں کہ صدر ضیاء الحق، وہ جنرل جنہوں نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو پُرامن بغاوت کے ذریعے بھٹو حکومت کو اقتدار سے محروم کیا تھا، کی حکومت ان اپیلوں پر توجہ دے گی جو بھٹو کی جان بخشی کے لئے امریکی صدر جمی کارٹر سمیت کئی عالمی رہنماؤں کی طرف سے وصول ہوتی ہیں۔

وسیع پیمانے پر یہ یقین کیا جاتا ہے آزادانہ انتخاب کی صورت میں بھٹو دوبارہ اقتدار میں آ سکتے ہیں۔ اس مقبولیت کی وجہ سے درمیانہ اور اوپری طبقوں سے تعلق رکھنے والے کئی افراد ان کے ساڑھے پانچ سالہ دورِ اقتدار کی بدعنوانیوں اور زیادتیوں کے پیشِ نظر، ان کی موت کے خواہاں ہیں تاکہ ان کے دوبارہ سربراہِ حکومت بننے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پاکستانیوں میں کوئی درمیانی صورتِ حال موجود نہیں ہے۔ "لوگ یا تو بھٹو سے نفرت کرتے ہیں یا محبّت"۔ ایک غیر ملکی سفارت کار نے یہ تبصرہ کیا۔

اس دوران ایسی کوئی علامت نہیں کہ ضیا کی حکومت بیرونِ ملک سے ہونے والی مداخلت سے متاثر ہوتی ہو۔ سفارت کار یہ محسوس کرتے ہیں کہ جنرل اور ان کے مشیروں کے غیر ملکی ردِّ عمل، چاہے وہ ذریعہ کتنا ہی اہم ہو، کی بہ نسبت مقامی ردِّ عمل کا زیادہ اثر قبول کریں گے۔

جب سے سپریم کورٹ کے مخالفانہ فیصلے نے بھٹو کو سُولی کے اور قریب دھکیل دیا ہے وہ عوامی مظاہرے عملی صورت اختیار نہ کر سکے جن کی ان کے حامیوں نے پیش گوئی کی تھی۔ ان کے ساتھی گلیوں میں اس خاموشی کی وجہ حالیہ دنوں میں ان کی سیاسی جماعت کے رہنماؤں کی وسیع پیمانے پر گرفتاری بتاتے ہیں۔

سابق وزیرِ اعظم، جن کی اپیل عدالت نے ۴-۳ کے فیصلے سے منگل کے روز مسترد کر دی تھی، کے پاس قانون کے تحت لازمی ۷ دن کی رعایتی مدّت ہے جس میں وہ یا کوئی اور صدر سے رحم کی درخواست کر سکتا ہے۔ اس عارضی امتناعی مدّت میں توسیع ہو سکتی ہے بشرطیکہ سپریم کورٹ اپنے تازہ ترین فیصلے پر نظرِ ثانی کا فیصلہ کرے۔ یہ درخواست قانونی اغلاط کی بنا پر۔ جن کا ابھی تک اظہار نہیں ہوا ہے۔ بھٹو کے وکلا کو پیش کرنی ہے۔

ایسے وقت جب کہ بھٹو راولپنڈی جیل ۳×۲ میٹر پیمائش کی کوٹھری میں اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں اور اطلاعات کے مطابق قید کے نتیجے میں غذائیت کی کمی کا شکار ہیں۔ وہ ملک جس پر انہوں نے آمرانہ انداز میں حکومت کی ان کے کردار پر گوشوارہ تیار کر رہا ہے۔ ایک نکتۂ نظر کے مطابق ان کے مطلق العنانہ دورِ حکومت میں جو زیادتیاں ہوئیں وہ اس کینسر کے اثرات کی علامت ہیں جس کا قومی اخلاقی صحت سے خارج کیا جانا لازمی ہے۔ دوسروں کی نظر میں وہ عام آدمی کے ایسے عظیم علمبردار ہیں جو جاگیردارانہ پس منظر رکھنے والی اس قوم نے پیدا کیا۔

بھٹو کی حمایت کی جڑیں اس مایوسی میں تلاش کی جا سکتی ہیں جو ایک قوم کی حیثیت سے پاکستان کی تین دہائیوں میں زیادہ عرصے حکومت کرنے والی فوجی حکومتوں سے ہوئی۔ حالانکہ انہوں نے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی حکومت میں کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور جب سیاسی گڑبڑ قابو سے باہر ہوتی ہوئی نظر آئی تو مارشل لا نافذ کیا۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو سیاسی گڑبڑ کے اکثر اوقات میں فوجی حکومتوں کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہیں لیکن حکمران جنرلوں پر فریفتہ ہونے سے بہت پیچھے ہیں۔

ایک ایسے ملک میں جو اسلامی تعلیمات کا معتقد ہے، ۵۱ سالہ سابق وزیرِ اعظم ایک اعلانیہ طور پر دنیادار شخص کی حیثیت سے بھی متنازعہ شخصیت ہیں۔ پیدائشی امیر، خوش لباس، شعلہ مزاج بھٹو اس نفاست کا اظہار ہیں جو انہوں نے پہلے یونیورسٹی آف کیلی فورنیا، برکلے اور بعد میں آکسفورڈ میں حاصل کی تھی۔

دوسروں کے لئے ان کی موت شہادت ہوگی، جو شاید ایک لازوال علامت بن جائے۔ یا مختصر عرصے میں فراموش کر دی جائے ●

کیا سحر کار
بھٹو کو پھانسی ہو گی
***
ایشیا ویک : ۲۳ فروری ۱۹۷۹ء

آخری فیصلہ ضیاء، جسٹس
چوھدری محمدؐ علی اور غلام اسحاق کرینگے

اس ہفتے پاکستان کے انتہائی متنازعہ حکمران، ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کچے دھاگے سے لٹکی رہی۔ ۶ فروری کو ملک کے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے بعد کہ ۱۹۷۴ء میں ایک سیاسی قتل کا حکم دینے کی بنا پر انہیں سزائے موت دی جانی چاہیئے، حالات معزول وزیراعظم کے لئے انتہائی گمبھیر معلوم ہوتے تھے بھٹو نے جنرل ضیاء الحق سے معافی کی درخواست کرنے سے سختی سے انکار کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ ایسا اقدام اعتراف جرم کے مترادف ہو گا۔ جہاں تک جنرل ضیاء کا تعلق ہے وہ اپنے اس بہ ظاہر سخت ارادے پر قائم رہے کہ وہ عدالت کے فیصلے کو عملی جامہ پہنائیں گے انہوں نے دنیا بھر کی حکومتوں کی طرف سے کی جانے والی رحم کی اپیلوں کو کوئی وقعت نہیں دی۔ اس کے بعد ۱۳ فروری کو ایک نئی کروٹ ظاہر ہوئی اور یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ بھٹو کی جلاد سے ملاقات اگر منسوخ نہیں ہوئی ہے تو ملتوی ضرور ہو گئی ہے۔

ایک اقدام کے ذریعے جو غیر متوقع نہیں تھا بھٹو کے وکیل یحییٰ بختیار نے ۱۰۳ صفحات پر مشتمل درخواست سپریم کورٹ میں داخل کی جس میں وہ ۵۰ اسباب بیان کئے ہیں جن کی بنا پر وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ عدالت ان کے موکل کی سزائے موت کے خلاف اپیل کے استرداد کے اپنے اختلافی فیصلے پر نظر ثانی کرے چیف جسٹس انوار الحق، جن کے کاسٹنگ ووٹ نے توازن کو بھٹو کے خلاف کر دیا، نے اپنے ۶ رفقا کی جانب سے یہ درخواست منظور کر لی۔ بختیار نے بعد میں کہا کہ "ایسی ہمہ گیر نوعیت کے مقدمے میں ہم التواء (پھانسی کے) کی توقع کرتے ہیں،

اگر مجھے منصفانہ طور پر سنا جائے تو اس میں ۲ یا ۳ ماہ لگیں گے"۔ ان کی نظر میں اس اہم فیصلے کو چیلنج کرنے کے لئے "تکنیکی اسباب" "قانونی اسباب اور واقعاتی اسباب" موجود ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھٹو مکمل طور پر آزاد ہو گئے۔ ججوں نے صرف درخواست پر غور کرنے کا وعدہ کیا لیکن نظر ثانی ہونا یا سزائے موت کا موقوف التواء دوسری بات ہے۔ ابھی جب کہ انہوں نے غور و خوض شروع کیا، لاہور کی کوٹ لکھپت جیل میں پھانسی دینے کے لئے سولی تیار کی جا رہی ہے۔ موجودہ منصوبوں کے مطابق پھانسی دینے کی پوری کارروائی کی فلم بنے گی اور کم از کم دو غیر ملکی ٹیلی ویژن اسٹیشنوں نے فلم بنانے کی اجازت طلب کی ہے۔

نہ ہی بھٹو ان کو بچانے کے سلسلے میں بین الاقوامی رائے یا غیر ممالک کی درخواستوں پر اعتماد کے ساتھ انحصار کر سکتے ہیں۔ گو کہ پوپ اور ان کے ساتھ ساتھ امریکہ، روس، چین اور تیسری دنیا کی اور مغربی بے شمار حکومتوں نے اسلام آباد سے اپیلیں کی ہیں، باخبر ذرائع کہتے ہیں کہ یہ تاریں اور پیغامات وزارت خارجہ میں سکریٹری جنرل کی میز سے آگے نہیں گئے۔ وزیر قانون اور ضیاء کے مصاحب خاص بروہی نے جل کر کہا کہ ایسی اپیلیں" پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت ہیں"۔ وزیر محنت چوہدری ظہور الٰہی نے یہ اضافہ کیا کہ ملک کے اندر اور غیر ممالک سے رحم کی درخواستیں "صیہونیوں اور کمیونسٹوں کی شہہ پر کی جا رہی ہیں جن کے مفادات بھٹو کی زندگی بچانے سے وابستہ ہیں کیونکہ وہ پاکستان کی اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کو روکنا چاہتے ہیں"۔

دوسروں کی نظر میں بھٹو کے بارے میں قنوطیت کی وجوہات کچھ اور ہیں۔ جنوبی ایشیا کے ایک مبصر کا کہنا ہے کہ "ضیاء خود ایک اچھے خاصے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر بھٹو کو زندہ رہنے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ ایک بے تاج بادشاہ کی قسم کی چیز بن جائیں گے۔ اور اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ جیل میں رہتے ہیں یا آزاد"۔ اسلام آباد میں ایک سفارت کار کا کہنا ہے "صدر کو علم ہے کہ اگر بھٹو دوبارہ مرکز اقتدار سے قریب آئے تو وہ (صدر) مردہ آدمی ہوں گے! اسی لئے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ فیصلہ کریں مردہ اور محفوظ بھٹو ایسی چیز ہے جس کی قیمت کے طور پر بعد میں کسی گڑبڑ کا خطرہ

ہول لیا جاسکتا ہے۔

اندرونی حلقوں کے مطابق وہ غیر ملکی جن کی بات پر ضیا کان دھر سکتے ہیں وہ اسلامی دنیا کی بڑی طاقتیں ہیں خاص طور پر سعودی عرب۔ گوکہ کہا جاتا ہے کہ جنرل نے ایک بار نجی محفل میں کہا کہ "شاہ خالد کی خواہش میرے لئے حکم ہے۔" مگر اس بات کی کوئی علامت نہیں ہے کہ عرب تاجدار نے بھٹو کی طرف سے کوئی مداخلت کی ہو۔ ایک ممکنہ وضاحت یہ ہوسکتی ہے کہ پھانسی کے بارے میں اگر شاہ خالد کو کوئی شکایت رہی بھی ہوگی تو وہ پاکستان کو اسلامی بنانے کے پروگرام کے ضیا کی طرف سے اعلان سے دور ہوگئی ہوگی۔

ضیا کی طرف سے وقت کا تعین اتنا ہی موزوں تھا جتنا کہ مقام کا تعین ستم ظریفانہ تھا۔ یہ پیغمبر محمدؐ کے یوم ولادت کا موقعہ تھا جس پر انہوں نے اپنی جامع اسکیم کا اظہار کیا اور مقام اس پارلیمنٹ کا چیمبر تھا جسے انہوں نے ۱۹ ماہ قبل ختم کر دیا تھا۔ اس اسکیم کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

- سود (جس کی قرآن نے ممانعت کی ہے) تین سال کے اندر ختم کر دیا جائے گا۔ اس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ رقم کی فراہمی شراکتی بنیاد پر ہوگی جس سے بنک منافع حاصل کریں گے۔ ضمنی اقدامات زکوٰۃ (دولت ٹیکس) کی وصولی اور زرعی پیداوار پر حکومت کا ٹیکس عشر شامل ہیں۔
- جو مسلمان شراب پیئے گا اسے ۸۰ کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور وہ شہری جو دوسرے عقائد سے تعلق رکھتے ہیں انہیں ان کے تہواروں کے موقعے پر پینے کی اجازت ہوگی۔
- زنا کی سزا بر سر عام سنگسار کر کے ہلاک کرنا ہوگی اور زنا بالجبر کی سزا موت یا ۲۵ سال قید ہوگی۔ پہلی چوری پر سزا کے طور پر چوروں کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

گوکہ حکومت نے نفاذ اسلام کی تشہیر اور تقریبات پر تقریباً ۳۰ لاکھ ڈالر خرچ کئے مگر ایشیا ویک کے آصف قیصر نے تار بھیجا کہ وزیروں اور مذہبی رہنماؤں کے علاوہ چند ہی لوگ نئے منصوبوں کے بارے میں پرجوش ہیں۔ اعلان کے اگلے روز کراچی اسٹاک ایکس چینج نے تیزی سے ڈبکی لگائی۔ صرف ۵۰ ہزار حصص کا لین دین ہوا۔ اس سرکاری فیصلے کے بعد کہ تمام بچتوں پر ۲½ فیصد زکوٰۃ وصول کی جائے گی، جن لوگوں کی بچتیں بنکوں میں تھیں انہوں نے لاکھوں روپے نکلوا لیئے۔ سرکاری ترجمانوں نے وضاحت کی کہ حالیہ برسوں میں بہت کم لوگ بچت کر رہے تھے لیکن نیشنل بنک کے ایک ذریعے نے بتایا کہ روپیہ نکلوانے کی تازہ ترین رفتار اب بھی "غیر معمولی طور پر بھاری" ہے۔ بڑے سیاسی رہنما اپنے طور پر نفاذِ اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے کیونکہ یہ ایک بہت نازک مسئلہ ہے۔

ایسی صورت میں جب کہ فوجی حکومت سیاستدانوں اور اخبارات دونوں پر اپنی گرفت سخت کئے ہوئے ہے پاکستان میں حالات کا مشاہدہ کرنے والوں کو یقین ہے ابھی پالیسیوں کا منصفانہ جائزہ لینے میں کچھ وقت لگے گا۔ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے پُر امید اراکین میں سے ایک کا کہنا ہے کہ "مایوس کن بات یہ ہے کہ اگر ہم دوبارہ برسر اقتدار آ بھی جاتے ہیں تب بھی ان میں سے بعض اقدامات سے انحراف ممکن نہ ہوگا۔ جب کہ وزیر قانون بروہی نے اعلان کیا کہ "حکومت کی طرف سے کی جانے والی تمام آئینی ترمیمات نئی حکومت کے منتخب ہوتے ہی بے اثر ہوجائیں گی۔" انتہائی دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی جماعت اسلامی کے سربراہ مولانا طفیل محمد نے اسلام آباد پریذ در

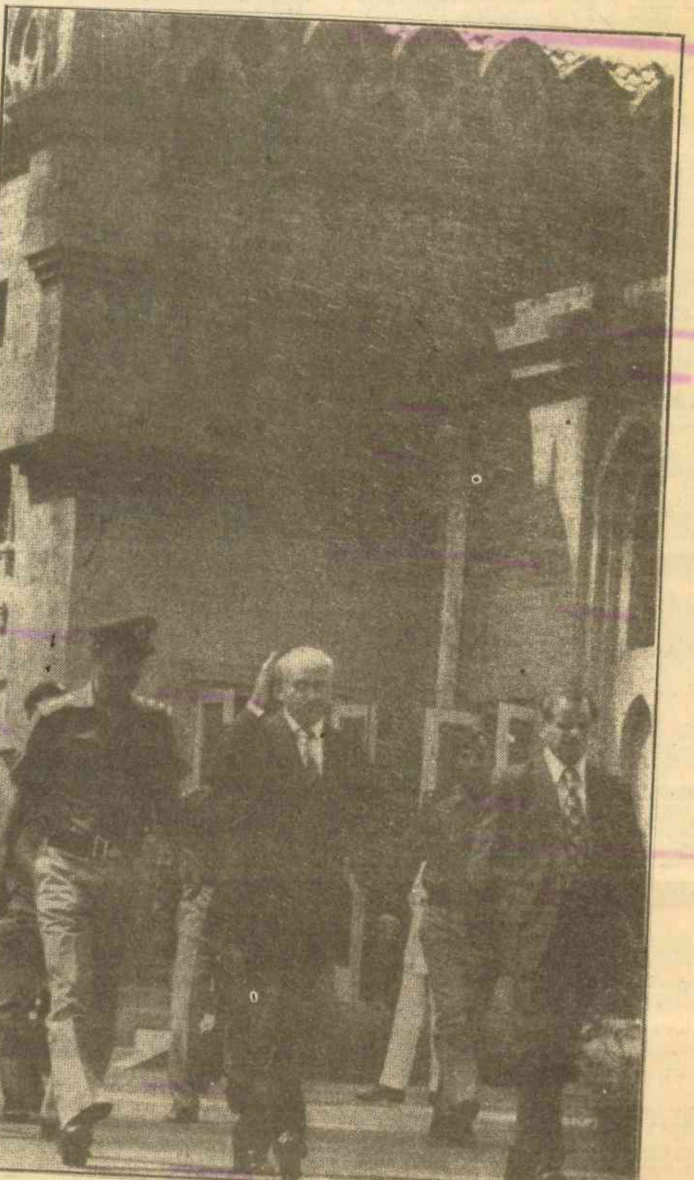

بھٹو، لاہور ہائی کورٹ سے روانگی کے وقت

دیا کہ "اس بات کی ضمانت دی جائے (کسی) انتخابات کے بعد بھی نفاذِ اسلام کے اقدامات برقرار رہیں"۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ضیا کے نفاذِ اسلام نے پی پی پی سے تعلق رکھنے والوں کی ان توقعات کو ہوا دی ہے کہ ان کے رہنما کو بچایا جا سکتا ہے۔ اسلامی روایت کے مطابق قانونِ شہادت مروجہ قانون کے مقابلے میں بہت سخت ہے۔ اور بھٹو کے حامی دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ سابق وزیرِ اعظم کو صرف قرآنی شہادت کی بنیاد پر مجرم قرار دیا

مرتضیٰ بھٹو اور شاہ نواز بھٹو کی قیادت میں لندن میں مظاہرہ

↑

→ کراچی میں ایک بس جلا دی گئی

گیا ہے اس لئے وہ نئے قانون کے تحت بے گناہ ہیں، لیکن ضیا اس طرزِ فکر کو بھی ختم کرنے پر تلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ "ان نئے قوانین کا بھٹو کے مقدمے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ ہم نے ابھی قتل کے بارے میں اسلامی قوانین نافذ نہیں کئے ہیں"۔ کراچی میں نامہ نگار شمیم سے پی پی پی کے ترجمانوں نے شکایت کی۔ انہوں نے اسلامی قوانین کے نفاذ سے پہلے عجلت میں فیصلے کا اعلان کیا۔ اب وہ ہم سے کہتے ہیں کہ بھٹو کو ہلاک کرنے تک ہمیں اینگلو سیکسن قانون پر گزارہ کرنا پڑے گا۔

بظاہر اسقاطِ انصاف معلوم ہونے والی غلطی کی درستگی کے لئے پی پی پی کی مجلسِ عاملہ نے پچھلے ہفتے ایک ہنگامی قرارداد منظور کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ جج صاحبان قیصر خاں اور وحید الدین احمد "سپریم کورٹ کی اس بنچ پر مقرر کئے جائیں جو بھٹو کی نظر ثانی کی درخواست پر غور کر رہی ہے"۔ جسٹس قیصر خان جو سپریم کورٹ کے اصل پینل کے ممبر تھے، ۶ ماہ قبل قبل از وقت ریٹائر ہو گئے تھے، جسٹس وحید الدین احمد گذشتہ نومبر میں علیل ہو گئے تھے اور اس بنچ میں شامل رہنے کے اہل نہیں رہے تھے جس نے بھٹو کی اپیل کی سماعت کی تھی۔ پاکستان کے انتہائی صاف گو اور روشن خیال ججوں میں سے ایک، احمد کو اس وقت سرکاری طور پر ریٹائر کیا گیا جب کہ انہوں نے صحت یاب ہو کر دوبارہ اپنی نشست پر آنے کی درخواست کی۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ پی پی پی کو بلاشبہ مایوسی ہوئی جب کہ وہ خود رو "بغاوت" رونما نہیں ہوئی جس کی اس نے پیشگوئی کی تھی۔ غیر ممالک میں کافی دلچسپی لی گئی، خاص طور پر لندن میں، جہاں بھٹو کے بیٹوں ۲۶ سالہ میر مرتضیٰ اور ۱۹ سالہ شاہنواز پریس کانفرنس کر کے اور سڑکوں پر جلوس نکال کر مرکزِ توجہ بنے۔ لیکن خود پاکستان میں نسبتاً سکون رہا، چند بسوں کو آگ لگائی گئی اور صرف چند اکا دکا مظاہرے ہوئے۔

یہ خاموشی حکومت کی اُن پیش بندی کی چالوں کا نتیجہ تھی جن کے ذریعے حفاظتی گشتی دستوں کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ پی پی پی کے سرگرم کارکنوں کو حراست میں لے لیا گیا اور بھٹو کی آتش بجاں بیوی اور بیٹی کو گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی ملک کے ہر ایک تعلیمی ادارے کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیا گیا۔ اس کے باوجود پی پی پی کو توقع تھی کہ بھٹو کے ناگزیر طور پر پھانسی کے امکان سے اس سے زیادہ خطرناک جذبات برانگیختہ ہوں جو اب تک دیکھنے میں نہیں آئے ہیں۔ اس کے اکثر رہنما اب اپنی سابقہ رجائیت کھو چکے ہیں۔

بعض مبصر یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اندازوں کی بنیاد وہ وسیع عوامی ہمدردی تھی جو بھٹو نے اس وقت بیدار کی تھی جب وہ ۲ ماہ قبل سپریم کورٹ کے رو برو پیش ہوتے تھے۔ ایک رات قبل ہی لوگ عدالت کے اندر نایاب جگہ حاصل کرنے کے لئے قطار میں لگ گئے تھے، ۸ بج کر ۳۰ منٹ تک کمرۂ عدالت بھر چکا تھا اور

دروازے بند کرتے پڑے تھے۔ مگر جلد ہی باہر سے ایک خاتون کے چلانے کی آواز آئی "تم میرے شوہر کو ہلاک کر رہے ہو اور مجھے اندر نہیں آنے دو گے؟" ایک سینیئر افسر نے دروازہ کھولا اور بیگم نصرت کو پولیس والوں کے ساتھ بحث کرتے پایا۔ انہیں مزید تکرار کے بغیر اندر بلا لیا گیا۔ جب مدعاعلیہ خود داخل ہوئے تو موجود لوگوں نے دیکھا کہ وہ زرد پڑ گئے تھے۔ پہلے کے مقابلے میں ان کا وزن تقریباً ۳۰ پونڈ گھٹ گیا تھا اور اُن کے بال سفید ہو گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ بولے اور اس وقت رو پڑے جب انہوں نے کہا کہ ۹۰ دن سے روشنی نہیں دیکھی تھی۔

نئے قوانین کا بھٹو کے مقدمے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا

عوامی احتجاج کی غیر موجودگی یہ اشارہ کرتی معلوم ہوتی ہے کہ عام طور پر لوگ متوقع سزائے موت کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں فکرمند نہیں ہیں۔ لاہور کے ایک تجزیہ نگار کے مطابق بذاتِ خود سزائے موت کی اخلاقی نوعیت کوئی پُرجوش موضوع نہیں ہے کیونکہ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے لیکن دوسرے دو پہلوؤں پر وسیع پیمانے پر بحث ہوتی، کیا کسی سربراہِ حکومت پر ان جرائم کی ذمہ داری ڈالی جا سکتی ہے جو اس کے نام پر کئے گئے ہوں اور آیا قصوری مقدمے کے حالات اور سزائے موت کے متقاضی تھے۔

پہلے موضوع پر آراء برابر برابر تقسیم معلوم ہوتی تھیں۔ وہ لوگ جو اس خیال کے حامی تھے کہ حاکمِ اعلیٰ کو اپنے ماتحتوں کے غلط اقدامات کے لئے جوابدہ ہونا چاہیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر وہ برملا اس کے خلاف ہو تو جرائم سرزد نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک قصوری کے قتل کے نتیجے میں بھٹو کو پھانسی دینے کے صحیح یا غلط ہونے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں آراء مختلف النوع معلوم ہوتی ہیں۔ بیشتر لوگوں اور عالموں کی صدائیں شاذ و نادر ہی سنائی دیتی ہیں کیونکہ عدالت یا حکومت کی ناراضگی کے خوف سے شاید ہی کوئی زبان کھولنے پر آمادہ ہو۔ جو لوگ بول رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیالات کا انحصار سیاسی وابستگیوں اور بھٹو کے بارے میں ذاتی احساسات پر ہے۔ مگر کئی لوگوں نے تسلیم کیا کہ اس شخص نے جب وہ اقتدار میں تھا کئی زیادتیوں کا ارتکاب کیا اور اسے بازی پلٹنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے تھا۔

کیا سحر کار بھٹو کو پھانسی ہو گی۔ اس بات کا انحصار کسی اور بات سے زیادہ جنرل ضیاؔ اور ان کے صلاح کاروں کے مختصر سے جتھے پر ہے۔ اندرونی حلقے نمایاں لوگ ہیں۔ جنرل فیض علی چشتی، سابق وزیراعظم محمد علی اور وزیرِ مالیات غلام اسحٰق خاں۔ بھٹو نے جب وہ اقتدار میں تھے اپنے مطلق العنانہ اور بعض اوقات منتقمانہ طریقوں کے نتیجے میں اپنے جانی دشمن پیدا کئے۔ ان میں بعض اس وقت اسلام آباد میں اعلیٰ ترین حکام ہیں۔ یہ لوگ اور ان کے ساتھ ساتھ فوج کی اصل قیادت وہ بنیادی طاقتیں ہیں جو بھٹو کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔

کہ خان کے علاوہ مقتدر گروہ سے متعلق سب لوگ مشرقی پنجاب کے چھوٹے سے ضلع جالندھر کے رہنے والے ہیں (جواب ہندوستان کا حصّہ ہے) اس بات کو مشاہدین نظرانداز نہ کر سکے کہ اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ اس ضلع نے وہ جج بھی پیدا کئے جنہوں نے بھٹو کو سزا دینے کے سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان باتوں نے اس پورے معاملے کو بدشگون گہری نوعیت دی۔ پاکستان میں، پنجابیوں اور سندھیوں میں روایتی مخاصمت ہے۔ اور اوّل الذکر گروہ زندگی کے کئی شعبوں میں حاوی ہے۔ فوج میں کسی اور ادارے کے مقابلے میں پنجابی غلبہ اور زیادہ نمایاں ہے۔ بھٹو جو ایک سندھی ہیں اسلام آباد کے حکمرانوں کو ایک ناجائز قابض ہی لگ سکتے ہیں۔ ایسا شخص جو اپنے روایتی مرتبے سے اونچا اٹھ گیا ہو اس بات کی نشاندہی کی جاتی ہے کہ وہ اکیلے قومی رہنما ہیں جنہیں کوئی مقام حاصل ہے یہ بات جنرل ضیا اور ان کے لوگوں کے لئے معاملات کو ہضم کرنے کے لئے اتنا سخت بناتی ہے۔

بھٹو منزل بہ منزل

ایشیا ویک

اس ایک قوم کی تشکیل اور عوام کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوا ہوں" اس بات کا دعویٰ ذوالفقار علی بھٹو نے اس بیان میں کیا جو انہوں نے حال ہی میں سپریم کورٹ کے لئے تیار کیا تھا۔ پچھلے ہفتے پڑوسی ہندوستان میں یہ ایک "فوری" کتاب کی صورت میں نمودار ہوا۔ اگر یہ ایک صریحی انکسار کا اعلان نہیں کیا تھا، پاکستانی جانتے ہیں "زلفی" ایسے شجرۂ نسب کے ساتھ پیدا ہوا تھا جس پر وہ یقیناً فخر کر سکے۔ ان کے والد ۱۹۲۰ء میں صوبہ بمبئی کی برطانوی حکومت میں وزیر تھے اور سر سے پیرتک نواب تھے۔ ۱۹۳۶ء میں جب ان کا آبائی صوبہ سندھ بالآخر بمبئی سے علیحدہ ہوا تو سر شاہنواز بھٹو کو سندھ میں مشیرِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس وقت زلفی کی عمر ۸ سال تھی۔

۱۹۴۷ء میں جب پاکستان وجود میں آیا تو وہ لاس اینجلز میں یونیورسٹی آف ساؤتھ کیلیفورنیا میں انڈر گریجوئیٹ تھے، ۲ سال بعد انہوں نے برکلے سے پولیٹکل سائنس میں ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد آکسفورڈ میں کرائسٹ چرچ سے ماسٹر ان لاء کی ڈگری لی۔ ایسی بے نقص اسناد کے ساتھ وہ ۱۹۵۴ء میں پہلی بار پاکستان گئے۔ انہوں نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی کی ابتداء کراچی کے سندھ مسلم کالج کا نسٹی ٹیوشنل لاء پڑھانے اور وکالت کا پیشہ اختیار کرنے سے کی۔

بھٹو کو کبھی اس بارے میں شبہہ نہیں ہوا کہ وہ قومی معاملات

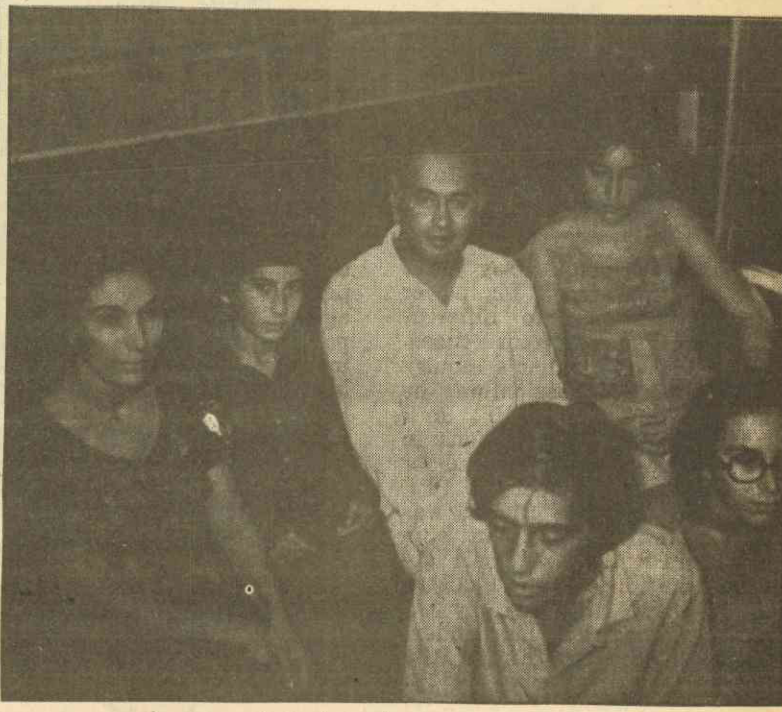

اپنی اہلیہ نصرت بھٹو اور بچوں کے ہمراہ (۱۹۷۰ء)

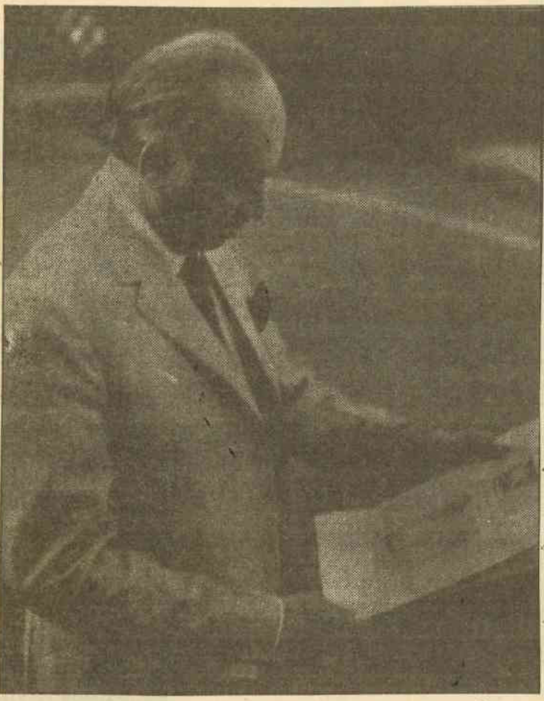

مسٹر بھٹو اخبار کا مطالعہ کر رہے ہیں'

میں ایک ممتاز کردار ادا کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ آج ان کے ناقدین ان کی ان مختلف ترکیبوں کا حوالہ دیتے ہیں جو انہوں نے برسراقتدار لوگوں سے اپنے لئے عنایات حاصل کرنے کے لئے اختیار کیں۔ یہ ان خطوط پر مشتمل ہیں۔ جس میں انہوں نے برسراقتدار لوگوں کی تعریف و توصیف اور ان کے مخالفین پر تنقید کی ہے۔ ۱۹۵۷ء تک بھٹو اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے رکن بن چکے تھے۔ ایک سال کے اندر انہوں نے صدر اسکندر مرزا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اور جنیوا میں سمندری قانون کے بارے میں کانفرنس میں اپنے ملک کے وفد کے قائد کی حیثیت سے تقرر حاصل کر لیا تھا۔

۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان نے مرزا کو معزول کر دیا تھا اس بغاوت نے بھٹو کو متاثر نہیں کیا جنہیں وزیر تجارت کی حیثیت سے کابینہ میں شامل ہونے کی دعوت دی جا چکی تھی اس کے بعد انہوں نے ۱۹۶۳ء تک قومی تعمیر نو، اطلاعات وزارتی وسائل کے قلمدان سنبھالے اس کے بعد انہیں وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ بدنام کرنے والے بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بھٹو نے سوویت یونین سے (تیل کے بارے میں معاہدہ) ہندوستان سے (کشمیر کے بارے میں) اور چین سے (ہندوستان کے بارے میں) مذاکرات میں کافی صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔

ایوب کے ساتھ ۸ سال گزارنے کے بعد بھٹو نے استعفےٰ دے دیا باوثوق ذرائع کہتے ہیں کہ وہ چوٹی پر پہنچنے کے راستے تلاش کر رہے تھے اور جب ایوب خان کے خلاف طلباء کی تحریک زور پکڑنے لگی تو انہوں نے آغاز تلاش کر لیا۔ برٹن رسل کے "ویت نام میں جنگی جرائم کے بارے میں بین الاقوامی کمیشن" سے کچھ عرصہ تعلق رکھنے کے بعد انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی قائم کر کے سیاست میں چھلانگ لگا دی۔ انہوں نے طلباء کے احتجاج سے فائدہ اٹھایا اور جیل بھیج دیئے گئے لیکن ۴ ماہ بعد جنرل یحییٰ خان نے ایوب خان سے اقتدار لے لیا اور بھٹو ایک ہیرو کی حیثیت سے رہا ہوئے۔

دسمبر ۱۹۷۰ء میں یحییٰ خان نے پاکستان کے پہلے عام انتخابات کرائے اور پی پی پی مغربی پاکستان میں اکثریتی جماعت کے طور پر ابھری مگر مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے بھرپور فتح حاصل کرلی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان رسہ کشی تھی، جو مبصرین کے بقول بنگلہ دیش جنگ اور ملک کی تقسیم کا براہ راست سبب بنی آخر میں بھٹو نے خود کو تباہ حال پاکستان کا صدر پایا (دسمبر ۱۹۷۱ء) انہوں نے اگست ۱۹۷۳ء میں دستور پر نظر ثانی کی اور وزیر اعظم بن گئے۔

واقعات سے بھرپور اپنے کردار میں بھٹو کا رویہ ایسا ہی رہا جیسا کہ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے ایک فرد کا ہوتا ہے۔ وہ خاندان جس کی انہوں نے تربیت کی انہی جاگیردارانہ روایات میں کی جس سے وہ خود لطف اندوز ہوئے تھے۔ ان کی پہلی بیوی کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔ انہوں نے انہی موجودہ شریک حیات نصرت اصفہانی سے ۲۷ سال قبل شادی کی۔ ان کے والدین ایران کے صوبے اصفہان سے آئے تھے گو کہ انہوں نے خود اپنی زندگی کا بیشتر حصہ پاکستان گزارا ہے۔ بیگم نصرت بھٹو ایوب خان کے دور میں اپنے شوہر کی پہلی گرفتاری کے وقت سے سیاسی طور پر سرگرم عمل ہیں۔

مسٹر اور بیگم بھٹو کے ۲ بیٹے اور ۲ بیٹیاں ہیں۔ ۲۶ سالہ میر مرتضیٰ نے ہارورڈ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا اور اب لندن کے چیک ڈسٹرکٹ میں رہتے ہیں۔ اور تارکین وطن پاکستانیوں کے لئے ایک اردو، انگریزی ہفت روزہ شائع کرتے ہیں۔ ۲۵ سالہ بینظیر ۱۹۷۶-۷۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی یونین کی صدر تھیں اور اپنی پاکستان واپسی کے بعد سے سرگرم سیاست میں مصروف رہی ہیں۔ وہ بھٹو کی تنہا اولاد ہیں جو پاکستان میں ہے۔ ۱۹ سالہ شاہنواز گرمیوں کی چھٹیاں اپنے بھائی کے ساتھ گزارنے کے لئے لندن جانے تک امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے جہاں انکو وزیر اعظم کی قیام گاہ پر بم پھینکنے کے مقدمے کے سلسلے میں گرفتار کر لیا گیا تھا کیونکہ وہ اس وقت ضمانت پر ہیں اس لئے امریکہ واپسی سے قاصر ہیں سب سے چھوٹی بیٹی ۱۷ سالہ صنم سیما سوئٹزرلینڈ میں امریکی اسکول میں آخری سال میں ہیں۔ ●

شاستری نے کشمیر کو بچانے کے لئے لاہور پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا

بھٹو دوران تعلیم ہی قائداعظم کے معتقد بن گئے تھے

"دو قومی نظریہ" ان کا پسندیدہ موضوع تھا

روزنامہ "اجیت" جالندھر، ۱۰ فروری ۱۹۷۹

پاکستان کی سپریم کورٹ نے پاکستان کے سابق وزیراعظم شری بھٹو کی موت کی سزا بحال رکھی ہے انہیں ایک شخص نواب محمد احمد خاں کے قتل کی سازش کے الزام میں لاہور ہائی کورٹ نے پھانسی کی سزا کا حکم سنایا تھا۔ مسٹر بھٹو نے اس سزا کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو اور سرکار دونوں پارٹیوں کو اپنا اپنا کیس پیش کرنے کا موقعہ دیا۔ اور قانونی طور پر مناسب سماعت کی گئی۔ اور اپنے فیصلے میں سزا بحال رکھی۔ مسٹر بھٹو کی زندگی جدوجہد سے بھرپور رہی ہے۔ ان کے والد سیاسی میدان کے کھلاڑی رہے ہیں۔ اور صوبہ سندھ میں انہیں بہت احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ ان کے ہاں سیاسی لیڈروں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ بھٹو ان سے سیاست کی جانکاری تو حاصل نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سیاسی رہنماؤں کا طرزِ عمل کیسا ہوتا ہے۔ اس سے وہ بخوبی واقفیت حاصل کرتے رہے ہے۔ مسٹر بھٹو تقسیم وطن سے پیشتر ابھی زیر تعلیم تھے۔ دوران تعلیم وہ مسٹر جناح کے معتقد بن گئے۔ اور ان کی دو قوموں کی تھیوری مسٹر بھٹو کے لئے بہت پسندیدہ بن گئی۔ وہ بحث مباحثوں میں حصہ لیتے اور اس طرح انہیں سیاسی میدان میں کودنے کا موقعہ مل گیا۔ مسٹر بھٹو کا پریوار سندھ کے علاقہ لاڑکانہ میں رہائش پذیر تھا۔ تاہم ان کی بمبئی میں بھی کافی جائیداد تھی۔ مسٹر بھٹو اس جائیداد سے اپنا گذارہ چلاتے تھے۔ ایک جاگیردار پتا کی اولاد ہونے کے ناطے شری بھٹو کو روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔

اس کے بعد مسٹر بھٹو اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے بیرون ملک چلے گئے ان کی غیر حاضری میں بمبئی کی ان کی جائیداد نکاسی قرار دیدی گئی۔ وہ انگلینڈ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں سے وہ خود پاکستان منتقل ہو گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انہوں نے بمبئی کے ہی ایک پریوار میں شادی ان کی بیوی نصرت ہے۔ نصرت بہت اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مسٹر بھٹو پاکستان میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئے تو ان کے رشتہ داروں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پاکستان میں ہی اپنی رہائش اختیار کر لیں۔ مسٹر بھٹو نے ان کی صلاح کو لبیک کہتے ہوئے پاکستان کو ہی اپنا مسکن بنا لیا۔ اس وقت تک پاکستانی فوج فیلڈ مارشل ایوب خاں کی زیر قیادت اقتدار سنبھال چکی تھی۔ ایک تقریب میں مسٹر بھٹو نے تقریر کی۔ وہاں خوش قسمتی سے ایوب خاں بھی موجود تھے۔ جو بھٹو کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے اور مسٹر بھٹو کو اپنی وزارت میں شامل ہونے کی دعوت دیدی۔

بھٹو وزارت میں

فیلڈ مارشل ایوب خاں فوج کی امداد سے حکومت چلا رہے تھے لہٰذا کوئی بھی ان سے کسی طرح کی پوچھ تاچھ کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے جب مسٹر بھٹو کو اپنی وزارت میں شامل کر لیا تو پاکستان بھر میں کسی طرح کے ردِ عمل کا اظہار نہیں ہوا۔ اور اس تقرری کو معمول کی کارروائی ہی سمجھ لیا گیا۔ اس وقت کون جانتا تھا کہ یہ نوجوان ایک دن بین الاقوامی شہرت کا مالک بن جائے گا۔ مسٹر بھٹو نے وزارتی عہدہ سنبھالتے ہی اس میں انقلابی تبدیلیاں کر

جناب بھٹو "تاشقند کانفرنس" میں

دیں جس پر وزارت کے افسران کو احساس ہوا کہ ان کا واسطہ ایک ذہین شخص سے پڑا ہے۔ ایوب خاں نے ان پر اس حد تک اعتبار کرنا شروع کر دیا کہ ایک روز وزارت خارجہ کے عظیم عہدہ پر مسٹر بھٹو کو تعینات کر دیا۔ اتنی بڑی چھلانگ پر سبھی حیران و ششدر رہ گئے۔ وزیر خارجہ ہونے کے ناطے شری بھٹو دنیا بھر کی نظروں میں آنا شروع ہو گئے۔ انہوں نے کشمیر کے متعلق بھارت سرکار کے ساتھ بات چیت کی۔ اس وقت پنڈت نہرو زندہ تھے اور انہوں نے سردار سورن سنگھ کو بھٹو کے ساتھ تبادلۂ خیالات کے لئے مقرر کیا۔ کشمیر مذاکرات اگرچہ ناکام رہے لیکن مسٹر بھٹو بھارتیوں کی نظر میں آ گئے۔

جنگ کے دوران کردار

ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارت و پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں پاکستان کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا دراصل ایوب خان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ کشمیر پر پاکستانی حملہ اتنی شدت سے ہوگا کہ بھارتیہ فوج کے لئے اس کا مقابلہ مشکل ہو جائے گا۔ اور وہ اس حملہ کی تاب نہ لا سکے گی۔ پاکستانی فوج کا سب سے زیادہ زور چھمب سیکٹر میں ہی تھا۔ پاکستانی فوج کی یہ زبردست کوشش تھی کہ وہ پٹھان کوٹ جموں شاہراہ پر قبضہ کر لے۔ اس طرح کشمیر میں مقیم بھارتیہ فوج محاصرے میں آ سکتی تھی لیکن بھارت کے وزیر اعظم شری لال شاستری نے کشمیر پر پاکستانی دباؤ میں کمی لانے کے لئے لاہور پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا اور اس طرح کشمیر کو بچا لیا۔

بھٹو تاشقند میں

روس نے ہند پاک جنگ بند ہونے کے بعد سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی۔ اس وقت بھٹو نے اڑیل رویہ اختیار کئے رکھا اور اس نے بھارت کے ساتھ ایک ہزار سال تک جنگ جاری رکھنے کا اعلان کر دیا۔ ایوب خان کو اپنی ذمہ داری کا بجا طور پر احساس تھا کہ اگر ہند پاک معاہدہ نہ ہو سکا تو اس کا نتیجہ کیا رونما ہو سکتا ہے۔ ایوب خاں اگرچہ مسٹر بھٹو کے زیر اثر کچھ اکڑے تاہم مسٹر کوسیگن کی ایک ہی گھڑکی سے وہ بھی آخر کار سمجھوتہ کے لئے رضا مند ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فیلڈ مارشل ایوب اور مسٹر بھٹو میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ایوب خاں نے محسوس کیا کہ بھٹو اب ان کے اس طرح وفادار نہیں رہے جیسے کہ وہ پہلے تھے لہٰذا انہوں نے ایک دن شری بھٹو سے استعفیٰ طلب کر لیا۔ اس پر بھٹو اور ایوب میں کھلم کھلا لڑائی چھڑ گئی۔ عوام پہلے ہی فوجی حکومت سے پریشان تھے۔ انہوں نے بھٹو کا ساتھ دیا، اور ایوب کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وہ گدی سے دست بردار ہو گئے۔

یحییٰ کا دورِ حکومت

فیلڈ مارشل ایوب خاں خود تو اقتدار سے الگ ہو گئے لیکن جاتے جاتے وہ عنانِ حکومت فوج کے اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خاں کے سپرد کر گئے۔ جنرل موصوف سیدھے سادھے انسان تھے اور انہوں نے برسر اقتدار آتے ہی اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ وہ حکومت کی باگ ڈور سیاستدانوں کے حوالے کر دیں گے۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء میں پاکستان میں عام انتخابات کرائے۔ جس کے نتیجہ کے طور پر پاکستان کی قومی اسمبلی میں شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی عوامی لیگ کو اکثریت حاصل ہو گئی جب کہ مغربی پاکستان میں بھٹو کی پیپلز پارٹی اکثریت میں آ گئی۔ چونکہ بنگلہ دیش کی آبادی مقابلتاً زیادہ ہے۔ لہٰذا پاکستان کا وزیر اعظم بننے کا حق شیخ مجیب الرحمٰن کو تھا۔ جنرل یحییٰ خان نے شیخ کو یہ حق دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجہ کے طور پر بنگلہ دیش میں گڑبڑ شروع ہو گئی۔ اس پر بھارت کو دخل دینا پڑا اور اس سے آزاد بنگلہ دیش معرضِ وجود میں آ گیا۔ بعض فوجی جرنیلوں کی دخل اندازی پر بھٹو کو پاکستان کا صدر بنا دیا گیا۔ جنہوں نے جنرل یحییٰ خاں کو نظر بند کر دیا مسٹر بھٹو نے بھارت کے ساتھ شملہ معاہدہ

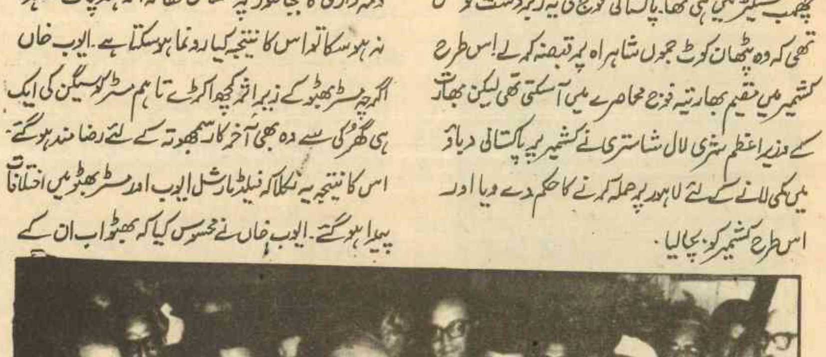

مسٹر بھٹو اور مسز اندرا گاندھی، معاہدہ شملہ کے بعد

کر کے جہاں پاکستانی علاقہ آزاد کرا لیا وہاں اپنے ۹۲ ہزار جنگی قیدی بھی رہا کرا لئے۔ اس طرح وہ پاکستان بھر میں شہرت کے عروج پر پہنچ گئے۔ لیکن ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے عام انتخابات کے دوران ان پر ہیرا پھیری کرنے کا الزام لگایا گیا اور اپوزیشن نے ان کے خلاف زبردست جدوجہد شروع کر دی جو کافی دیر تک چلی۔ اندرون ملک خانہ جنگی کی سی صورتِ حال پیدا ہو گئی جس پر فوج کو دخل دینا پڑا اور اس نے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

دی اکانومسٹ لندن
۱۷ فروری ۱۹۷۹ء

اسلامی تعزیرات کے تحت بھٹو کو پھانسی نہیں دی جا سکتی

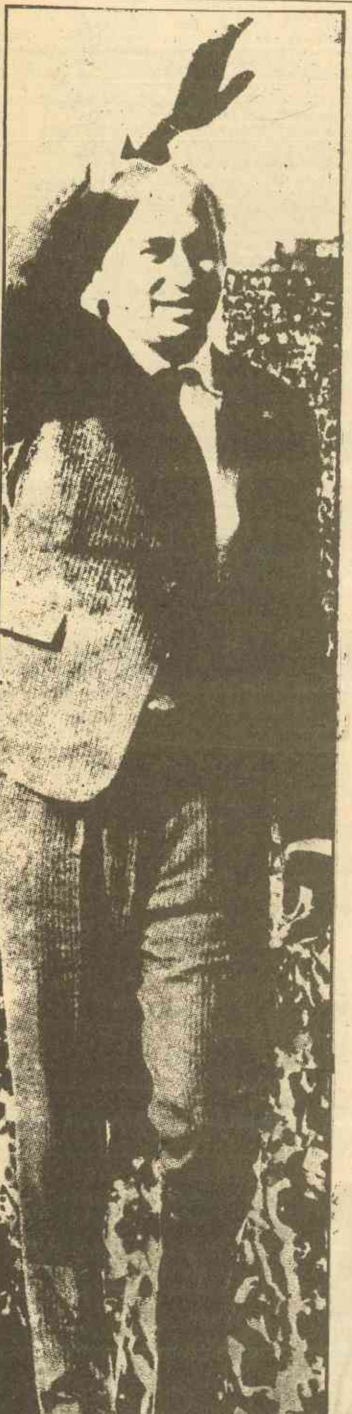

اگر پاکستان میں نافذ کردہ نئے اسلامی تعزیری قوانین کا اطلاق سزا یافتہ سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پر کیا جائے تو پھر انہیں موت کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اسلامی قوانین میں شرعی نظام کے تحت قتل کی سازش مستوجب قتل جرم نہیں ہے لیکن گذشتہ اختتام ہفتہ صدر جنرل ضیاء الحق نے جن قانونی تبدیلیوں کو متعارف کرایا ہے ان سے مسٹر بھٹو کے لئے کوئی نئی امید نظر نہیں آتی۔ ان کے وکلا کو لاہور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں پارلیمنٹ کے ایک سابق رکن مسٹر غلام جیلانی کی جانب سے پیش کی جانے والی رحم کی درخواست پر کسی مثبت جواب کی توقع نہیں ہے درخواست میں کہا گیا ہے کہ مقتول کے ورثا کو قصاص ادا کر کے مسٹر بھٹو کی زندگی بچانے کی اجازت دی جائے۔

منگل کو مسٹر بھٹو کے وکلا نے سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی ابتدائی درخواست پیش کر دی جن میں ان چار ججوں پر جنہوں نے مسٹر بھٹو کی سزا بحال رکھنے کا فیصلہ کیا، "ریکارڈ پر موجود شہادتوں کے غلط مطالعے کی متعدد شدید اور سنگین مثالوں، حقائق کی غلط جانچ پڑتال اور قانون کے غلط اطلاق" کے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ انہیں مزید دس روز کی مدت دی گئی ہے، تاکہ وہ فیصلہ میں تبدیلی کے لئے تفصیلی دلائل دے سکیں۔

گذشتہ ہفتہ صدر ضیاء نے غیر ملکی سفارت کاروں اور اہم شخصیتوں کے سامنے اسلام کے تعزیری قوانین پیش کرتے ہوئے کہا کہ بیرون ملک اسلام کا غلط تصور لیا جاتا ہے۔ اسلام کو محض ایسا مذہب سمجھا جاتا ہے جس میں کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور برہنہ کر کے کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ انہوں نے چند سبق آموز سزاؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ ان پر مشکل ہی سے عمل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عصمت دری کے جرم میں سنگسار کرنے کی سزا سب سے پہلے تو چار گواہوں کو پیش کرنا ہوتا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ فعل دیکھا ہو لیکن انہوں نے چوری اور ڈکیتی کے جرم میں ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کی سزا سے قانون کی پوری فہرست کو الٹ دیا۔

کوڑے کی سزا مختلف جرائم پر دی جائے گی جس میں ڈکیتی کی کوشش، عصمت فروشی، کسی زندہ یا مردہ پر زناکاری کا جھوٹا الزام اور شراب نوشی شامل ہیں۔ اگر کوئی مسلمان شراب نوشی کرے گا تو پبلک میں اسے ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے۔ غیر مسلم اور غیر ملکیوں کو اپنے سفارتخانوں کی حدود، رہائش گاہوں، یا ہوٹل کے کمروں میں شراب پینے کی اجازت ہوگی۔ بصورت دیگر اسے تین سال قید اور تیس کوڑے کھانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

جنرل ضیاء زور دیتے ہیں کہ اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے اور تعزیری قوانین کے نفاذ سے سماجی برائیوں کا خاتمہ کرنے میں مدد ملے گی۔ بہت سے پاکستانیوں کا خیال ہے کہ دو مذہبی ٹیکسوں کے خود تعین اور رضاکارانہ نفاذ سے ٹیکسوں کی چوری ختم ہو جائے گی۔ دولت پر زکوٰۃ ۲½ فیصد اور زرعی پیداوار پر عشر ۱۰ فیصد سے سالانہ ۱۵۰ ملین پاؤنڈ کی آمدنی ہوگی جس سے بھوکوں کو روٹی اور بے گھر کو مکان کی سہولت مہیا ہوگی۔ لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ پاکستان کے مسلمان اپنے اسلامی فرائض کی ادائیگی میں کتنے سنجیدہ ہیں۔

ریمزے کلارک، نیویارک ٹائمز ۱۴ فروری ۱۹۷۹ء

***

بھٹو کو پھانسی دینے سے منحوس روایت قائم ہو جائے گی

ذوالفقار علی بھٹو جنہیں ۱۹۷۴ء میں ایک غیر اہم سیاسی مخالف کے قتل کا حکم دینے کے الزام میں پاکستانی فوجی حکومت کے ہاتھوں پھانسی کا سامنا ہے دو بار غیر منصفانہ عدالتی کارروائی کا شکار ہوئے ہیں۔ کیا اب وہ قانونی بنائے گئے سیاسی قتل کا شکار ہوں گے؟

عمداً طول کی گئی ایک مدت میں سابق وزیر اعظم کے مجوزہ اقدام کو عدالتی کارروائی کے ذریعے قانونی لبادہ پہنایا گیا ہے۔

وہ لوگ بھی جو یہ فرض کر سکتے ہوں کہ فوجی حکومت کے تحت عدلیہ آزاد ہے مندرجہ ذیل باتوں سے انکار نہیں کر سکتے:

اوّل یہ کہ بھٹو کو دراصل سزا لاہور ہائی کورٹ کی خصوصی طور پر تشکیل کردہ ۵ ججوں پر مشتمل بنچ نے دی تھی، ان دو ججوں کو بنچ میں شامل نہیں کیا گیا تھا جنہوں نے ان کی اجراۓ پروانہ کی حبس بیجا کی درخواست منظور کی تھی، چیف جج مشتاق حسین کے بارے میں علم تھا کہ وہ بھٹو سے عناد رکھتے ہیں اس لئے انہیں نااہل قرار دیا جانا چاہیئے تھا، سماعت کے دوران ان کا رویہ واضح طور پر ضرر رساں رہا۔ انہوں نے سزا سنائے جانے سے پہلے برسر عام بھٹو کے "جرم" پر تبصرہ کیا اور اپنے آخری فیصلے میں بھی وہ خود کو اس بات سے نہ روک سکے کہ مدعا علیہ کو "عادی جھوٹا" اور بے قابو جیسے خطابات دیں۔

دوئم یہ کہ شہادت مجرم قرار دینے کے فیصلے کی حمایت نہیں کرتی۔ استغاثہ کے مقدمے کا زیادہ تر انحصار ایک ایسے پولیس افسر کے حلفیہ بیان پر ہے جسے پہلے فوجی حکومت نے قید رکھا پھر ضمانت پر رہا کیا گیا اور اس کے بعد مکمل طور پر معافی دی گئی۔ اس کی شہادت کی آتشیں اسلحہ اور دوسری ٹھوس شہادتوں سے تردید ہو گئی۔ بقیہ تمام شہادت بالواسطہ اور قرائنی تھی۔ مزید یہ کہ استغاثے کے تمام مقدمے کی کھلی سماعت ہوئی جب کہ مدعا علیہ کا مقدمہ گواہوں کے توسط سے کبھی بھی کھلی عدالت میں پیش نہیں ہوا۔

سوئم یہ کہ وہ سیاستدان جس کے خلاف سازش کرنے کا بھٹو پر الزام ہے وہ نہیں بلکہ اس کا باپ اس اچانک حملے میں ہلاک ہوا تھا۔ وہ اتنی غیر اہم شخصیت ہے کہ وہ حریف یا سیاسی خطرہ نہیں بن سکتا تھا۔

مزید یہ کہ مسٹر بھٹو کے خلاف سزائے موت کی توثیق ۹ اراکین پر مشتمل پاکستان سپریم کورٹ میں سے صرف ۴ ججوں نے کی۔ سزائے موت کے خلاف مسٹر بھٹو کی اپیل کی سماعت جب شروع ہوئی تو یہ ۹ ججوں پر مشتمل فل بنچ کے سامنے پیش ہوئی لیکن اپیل پر فیصلہ صرف ۷ ججوں نے دیا جس میں سے ۳ نے اختلاف کیا۔ گو کہ سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت میں اس سے دگنا وقت لگا جتنا کہ اصل مقدمے کی کارروائی میں لگا تھا مگر کسی ایک گواہ کو بھی دوبارہ طلب نہیں کیا گیا، نہ ہی عدالت نے ماتحت عدالت میں سماعت کے دوران ہونے والی شدید فاش غلطیوں کی اصلاح کی۔ اگر پوری بنچ فیصلہ دیتی تو اغلب ہے کہ مسٹر بھٹو بری ہو جاتے۔ اس کا اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ سپریم کورٹ کے ۷ ججوں میں سے ۳ نے پہلے دی گئی سزا کی توثیق سے اختلاف کیا ہے۔

اختلاف کرنے والے ججوں میں سے ایک نے یہ قرار دیا کہ استغاثہ اپنے بنیادی گواہ کے بیان کے لئے "تائیدی شہادت" فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ دوسرے نے دلیل دی ہے کہ اس مقدمے میں مسٹر بھٹو کے رویئے کے بارے میں شہادت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو معقول حد تک اس قابل نہ ہو کہ اس سے بے گناہی کے معنی نہ لیئے جا سکیں۔

کہ دوسرے ۲ جج بھی یہی کرتے۔ یہ صرف اندازے کی بات نہیں۔ ایک نے جنہوں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ وہ دباؤ کے سامنے نہیں جھکیں گے انہیں ۱۹۷۸ء میں ریٹائر کر دیا گیا حالانکہ عدلی اصول کا تقاضہ تھا کہ اس مقدمے کے اختتام تک ان کے ریٹائرمنٹ کو ملتوی کر دیا جاتا۔ دوسرے جج نومبر سے مبینہ علالت کی وجہ سے عدالت میں اجلاس کرنے سے روک دیئے گئے ان کی حالت کے بارے میں فیصلہ حکومت کے مقرر کردہ ایک میڈیکل بورڈ نے کیا تھا۔ اس طرح براءت اور رہائی کے حق میں ایک ۵-۴ کا ممکنہ اختلافی فیصلہ ۴-۳ کے مجرم قرار دینے اور موت کے حق میں فیصلے میں تبدیل کر دیا گیا۔

آخری یہ کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے سے ایسے مقبول رہنماؤں اور سابق سربراہانِ حکومت کو جن سے ان کے جانشینوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ دوبارہ اقتدار میں آ جائیں گے، قانون کے ذریعے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی منحوس روایت قائم ہو جائے گی۔

مسٹر بھٹو کے ناقدین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر آج پاکستان میں آزادانہ انتخابات منعقد ہوں تو وہ بھاری اکثریت سے دوبارہ برسر اقتدار آ جائیں گے۔ ان کے مقدمے اور سزایابی کے دوران ان کی مقبولیت میں اضافہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان کے عوام عام طور پر عدالتی کارروائی سے مطمئن نہیں ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ عدلیہ اپنی آزادی کھو چکی ہے۔ مسٹر بھٹو کو پھانسی دینا پاکستان میں قانون کی حکمرانی کو مستحکم کرنا تو دور رہا، اس کی عدلیہ میں مزید ٹوٹ پھوٹ اور قانون کے ذریعے جبر کی راہ ہموار کرے گا۔ بالآخر یہ اندرونی مناقشات میں اضافے کا سبب بنے گا۔

جانسن انتظامیہ میں سابق اٹارنی جنرل ریمزے کلارک نے جولائی ۱۹۷۸ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے کی سپریم کورٹ میں کارروائی کا مشاہدہ کیا تھا۔

خمینی نے فون پر نصیر الاجتہادی سے

پاکستانی شیعوں کے بارے میں پوچھا

غینوف کی ڈائری

گزشتہ ہفتے ہم نے ملکی سیاست کا جو نقشہ پیش کیا تھا میں کوئی فرق نہیں آیا اور صورتحال جوں کی توں ہے خیال ہے صورتحال تب تک یونہی رہے گی جب تک کہ بھٹو کے مستقبل کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ البتہ ایک فرق ضرور ہے کہ صف بندی کی کیفیت جو اب تک سیاست اور ایک دائرے میں موجود تھی اس کا دائرہ اب وسیع ہو کر مذہبی تک پہنچ گیا ہے اور یہ تحفہ اس نظام مصطفیٰ کا ہے کا اعلان جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۲ ربیع الاول کو کیا تھا علان کے بعد ایک طرف پاکستان میں بریلوی اور دیوبندی کے حامل مذہبی گروپوں میں محاذ آرائی عملی شکل اختیار گئی ہے تو دوسری طرف سنی اور شیعہ فرقوں میں تناؤ میں بھی بہت اضافہ ہو گیا ہے اگر یہ صورتحال اسی نہج پر مزید ی تو اندیشہ ہے کہ ملک میں بہت بڑا خون خرابہ نہ ہو ورتحال سے حکمران طبقوں کو ایک فائدہ تو ضرور ہو سکتا ہے میں غیر معینہ مدت تک انتخابات ملتوی کرنے کا اچھا جواز مل جائے گا۔ لیکن پھر ملک کا خدا حافظ ہے

پاکستان میں دیوبندی مکتبۂ فکر سے جمعیت العلمائے م مفتی محمود گروپ اور بریلوی مکتبہ فکر سے جمعیت علمائے ن مولانا شاہ احمد نورانی گروپ کا تعلق ہے ویسے بھی ع سے پاک و ہند میں بریلوی اور دیوبندی مکاتیب یں زبردست مذہبی اختلافات رہے ہیں مگر ۱۲ ر الاول کے اعلان سے اس قسم کی محاذ آرائی میں لک اضافہ ہو گیا ہے جس کا اظہار حال ہی میں جمعیت ے پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں منظور ی قراردادوں میں شامل ہیں دیگر شکایت کی گئی کہ ایک ن آلیتی فرقے والوں کی طرف سے ملک اور خاص طور چستان میں ۱۲ ربیع الاول کو سواد اعظم کی طرف سے منعقد کئے گئے میلاد کے جلسوں اور جلوسوں پر حملے کئے گئے قرارداد میں الزامات لگائے گئے اس کے علاوہ سواد اعظم کی مسجدوں پر بھی حملے گئے گئے ہیں اور بقول ان کے ایسی ایک مسجد کو شہید بھی کر دیا گیا

بریلوی حلقوں کا کہنا ہے کہ ملک میں جو نظام مصطفیٰ لایا جا رہا ہے۔ اس پر دیوبندی مکتبہ فکر کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور ملک کے اندر اس کی باگ ڈور مفتی مودودی گروپ اور بیرونی سطح پر سعودی حکومت کے ہاتھ میں ہے واضح رہے کہ جمعیت العلماء پاکستان کے رہنما اس سے پہلے بھی پاکستان میں نظام مصطفیٰ نافذ کرنے کے سلسلے میں سعودی عرب کے سربراہ شاہ خالد کے مشیر جناب ردالہی سے مشورہ لینے پر ناک بھوں چڑھا چکے ہیں اور اس

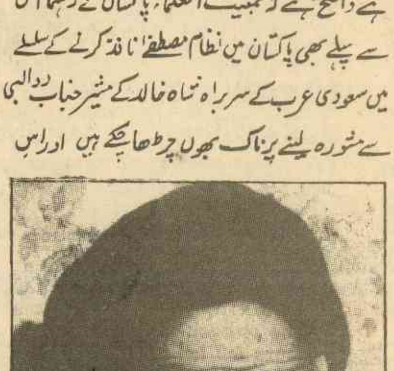

بات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا رہا

دوسری طرف بارہ ربیع الاول کو جس نظام مصطفیٰ کا اعلان کیا گیا ہے اس پر شیعہ علماء کو زبردست اعتراضات ہیں معلوم ہوا ہے کہ جب اسلامی نظریاتی کونسل اس سلسلے میں اپنی سفارشات مرتب کر رہی تھی تو کونسل میں شیعوں کے نمائندے مفتی جعفر نے اعتراضات کئے، مگر انہیں یہ کہکر مسترد کر دیا گیا کہ وہ ان سفارشات پر اپنا اختلافی نوٹ رقم کر دیں جس کو وفاقی کابینہ منظوری سے پہلے ضرور مد نظر رکھے گی۔ لعد میں شیعہ علماء کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جن اسلامی قوانین کا اعلان کیا گیا ہے اس میں فقہ جعفریہ والوں کے لئے الگ قوانین وضع نہیں کئے گئے مگر شیعہ علماء کو سب سے زیادہ حیرت جنرل محمد ضیاء الحق کے اس جواب پر ہوئی جو انہوں نے اس سلسلے میں لاہور میں اخباری نمائندوں کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ اسلامی نظریات کونسل کا اکثریتی فیصلہ تھا شیعہ علماء کو اس نوعیت کے جواب کی توقع نہیں تھی کیونکہ شیعہ علماء کے مطابق اس طرح عملی طور پر پاکستان میں شیعوں کو اقلیت بنا کر رکھ دیا گیا ہے اس صورتحال کے بعد پاکستان بھر کے شیعوں میں تشویش کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی معلوم ہوا ہے کہ اس صورتحال پر نہ صرف پاکستان کے شیعہ علماء کو بلکہ پاکستان سے باہر بھی شیعہ فرقے کے علماء کو سخت تشویش لاحق ہو گئی ہے کہ پاکستان میں شیعہ فرقے کے ساتھ امتیازی طور پر غلط سلوک کیا جا رہا ہے انتہائی باخبر ذرائع کے مطابق بیرون ملک یہ لہر اتنی پھیلی کہ ایران میں حال ہی میں اسلامی جمہوری انقلاب لانے کے داعی آیت اللہ خمینی نے پاکستان ٹیلیفون کر کے ایک اہم شیعہ رہنما جناب نصیر الاجتہادی سے بات چیت کی اور اپنی تشویش کا اظہار کیا کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والوں کے ساتھ زیادتیاں کی جا رہی ہیں معلوم ہوا ہے کہ نصیر الاجتہادی نے انہیں کہا کہ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ حکومت کو یہ بات سمجھائی جائے کہ شیعوں کے لئے فقہ جعفریہ کا اطلاق کیا جائے انہوں نے کہا کہ ابھی حالات اتنے خراب نہیں ہوئے اور وہ مزید اُن سے رابطہ قائم رکھیں گے اور کوئی ایسی صورتحال پیدا ہوئی تو انہیں ضرور آگاہ کیا جائے گا۔

دریں اثناء پاکستان پریس کے لئے نصیر الاجتہادی نے ایک بیان جاری کیا جسے حکومت پاکستان نے اپنی پریس ایڈوائس کے ذریعے (جو بقول وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی ان کے اقتدار میں آنے کے بعد ملک میں رائج نہیں) رکوا دیا گیا ہے بہرحال جنگ اخبار نے یہ بیان کسی نہ کسی طرح شائع کر ہی دیا کیونکہ کچھ عرصے سے حکومت نے سزا کے طور پر جنگ اخبار کے اشتہارات بند کر رکھے ہیں اور یہ سزا

مند فضل الٰہی چودھری کے بیان کی ایک جھلک شائع کرنے پر لاگو ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ حکومت نے ابی پریس اینڈ دائس کے ذریعے پاکستان کے اخبارات میں سابق صدر فضل الٰہی چودھری کے بیان کی اشاعت ممنوع قرار دیدی تھی۔

اب معلوم ہوا ہے کہ اس بیان کے بعد نصیر الاجتہادی فی الحال سندھ کے دورے پر نکلے ہوئے ہیں موصولہ اطلاعات کے مطابق وہ سندھ کے بیشتر مقامات پر شیعوں کے کئی بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کر چکے ہیں اجتہادی صاحب ان جلسوں میں جہاں شیعہ حضرات کو صحیح صورتحال سے آگاہ رکھ رہے ہیں وہیں انہیں یہ بھی تلقین کر رہے ہیں کہ کسی اشتعال میں آنے کی ضرورت نہیں، انہیں چاہئیے کہ وہ اپنے علماء کی ہدایات کو مدنظر رکھیں۔ انہوں نے ہر جگہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ ان کی کسی فرقے سے لڑائی نہیں کیونکہ وہ کسی بھی فرقے کی آزادی سلب کرنا نہیں چاہتے مگر ان کی جدوجہد حکومت کے خلاف ہے ان کا خیال ہے کہ حکومت اب بھی عقل کے ناخن لے گی اور صورتحال کو سمجھ بوجھ سے طے کرے گی۔

مذہبی پس منظر سے ہٹ کر دیکھا جائے تو سیاسی پس منظر پر عجیب خوفناک سا سکوت طاری ہے بہرحال پی این اے لابی کی سرگرمیاں بہت ہی پراسرار لگ رہی ہیں ایسے لگ رہا ہے کہ جماعت اسلامی مفتی گروپ کو اعتماد میں لے کر موجودہ

حکمران مفتی مودودی گروپ مخالفین پر ایک شدید ضرب لگانے والے ہیں

مخصوص صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر حکومت پر دباؤ ڈالکر کچھ شرائط منوانا چاہتی ہے۔ جماعت اسلامی لابی سمجھتی ہے کہ ان کی حکمت عملی کے نتیجے میں جہاں پی این اے کے علاوہ باقی سیاسی جماعتیں بشمول تحریک استقلال اور جمعیت علمائے پاکستان جس طرح کٹ کر رہ گئی ہیں انہیں سستانے کا موقع دیئے بغیر ان پر ایک اور کاری ضرب لگائی جائے اور ان کو مزید تنہا کر کے رکھ دیا جائے معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں یہ لابی حکومت سے اس قسم کے قوانین جاری کروانا چاہتی ہے جن سے ایک طرف جہاں کچھ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی جا سکے وہاں کچھ جماعتوں کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا جائے تاکہ وہ آگے چل کر جماعت اسلامی اور اس وقت اس کا دم چھلا بنی ہوئی جے یو آئی مفتی محمود گروپ کے لئے چیلنج نہ بن سکیں۔

۱۹۷۰ء سے اب تک مفتی محمود نے جو سیاسی کردار ادا کیا ہے اس کی روشنی میں کچھ سیاسی حلقے مفتی صاحب کو انتہائی شاطر سیاستدان اور بابائے مفاہمت کہنے لگے ہیں ان حلقوں کے مطابق ۱۹۷۰ء میں انتخابات کی ابتداء میں مفتی گروپ کالعدم نیپ اور پی پی سے تعاون کر رہا تھا۔ جب انتخابات قریب آئے تو ڈیرہ اسماعیل کی سیٹ حاصل کرنے کے لیے مفتی صاحب نے پی پی سے تعاون ترک کر کے صرف نیپ سے تعاون کیا۔ ۱۹۷۱ء میں حکومتوں کی تشکیل کے وقت شروع میں مفتی گروپ نے پی پی سے معاہدہ کیا مگر جب دیکھا کہ نیپ کے تعاون سے آسانی سے حکومت بن سکتی ہے۔ علاوہ ازیں پی پی سرحد کی وزارت اعلیٰ مفتی صاحب کو دینے کے لئے تیار نہیں تھی جبکہ نیپ نے پیشکش کر دی تو ایک رات کے اندر مفتی صاحب نے بغیر کسی لیت و لعل کے پی پی سے معاہدہ توڑ کر نیپ کے ساتھ سرحد اور بلوچستان میں مخلوط حکومتیں تشکیل دیدیں اس سارے عرصے کے دوران مفتی گروپ اور جماعت اسلامی کے درمیان زبردست محاذ آرائی جاری رہی حتیٰ کہ جماعت اسلامی کی طرف سے مفتی محمود کو اور مفتی محمود کی طرف سے مودودی کو کافر قرار دے دیا گیا تھا مگر آج کل دونوں ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں کیونکہ آج دونوں مل کر لیلئ وزارت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ ✻

جوہی — محمد مراد

ایس ایچ او نمبر بڑھوا رہا ہے

یوں تو ملک بھر میں پیپلز پارٹی کے عہدیداروں اور کارکنوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ مگر جوہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں ان کارکنوں کو بھی نہیں بخشا جا رہا ہے جو سرگرم سیاست سے علیحدہ ہو کر خاموش ہیں اور ان سارے مظالم کا ذمہ دار شہر کے تھانے میں تعینات ہونے والا نیا ایس ایچ او ہے اس شخص نے آتے ہی سرکاری حلقوں میں اپنا نمبر بڑھانے کے لئے ظالمانہ کارروائیاں شروع کر دیں سب سے پہلے اس نے پی پی جوہی کے صدر محمد اعظم سند، نمائندہ عبرت میہون خان، محمد ابراہیم میں ... پیپلز پارٹی کے دوسرے کارکنوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔ انہیں کسی جواز کے بغیر گرفتار کیا اور دو گھنٹے بعد لاک اپ کی جبری نظر بندی سے رہا کیا گیا۔ لوگوں میں خوف و ہراس اور مایوسی کی لہر دوڑانے کے لئے بلا جواز اور غیر قانونی گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر مقامی صحافی اس کے جابرانہ ہتھکنڈوں اور غیر قانونی سرگرمیوں پر اعتراض کرتے ہیں تو انہیں بھی گرفتار کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ ایس ایچ او اپنی تعریف میں اخبارات میں بیان چھپواتا ہے۔

ایس ایچ او کے ظلم کا تازہ شکار ... ہاری لیڈر حسین بند ہے۔ جس کو محض بھٹو سے عقیدت رکھنے کے جرم میں دفعہ ۱۱۰ کے تحت گرفتار کیا گیا جس کے نتیجے میں ہاری لیڈر کے ... بچے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ایک دن ایس ایچ او نے ایک اور شخص دین محمد تھیم کو بلوا کر دھمکی دی کہ "تم پی پی کے آدمی ہو" اس نے جب جواب دیا کہ پی پی کی حمایت کرنا کوئی جرم نہیں۔ تو ایس ایچ او غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے دین محمد کو زمین پر گرا کر ناک رگڑوائی۔ اور اتنے لات گھونسے مارے کہ وہ کرب سے بلبلا اٹھا۔

ایس ایچ او کے متعلق یہ عام شکایت ہے کہ وہ پتھاریداروں کی سرپرستی کرتا ہے اور رقم لے کر مویشی واپس کرانے کا کاروبار کرتا ہے چونکہ قانون اس کے ہاتھ میں ہے اس لئے کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ اس کے خلاف لب کھولے ابھی حال ہی میں علاقہ میں قتل کی ایک واردات ہوئی ایس ایچ او نے مبینہ طور پر جوابدار پارٹی سے ۳۰ ہزار روپے لے کر ملزموں کو رہا کر دیا۔

ایس ایچ او کے بڑھتے ہوئے مظالم سے علاقے میں شدید خوف و ہراس ہے۔ سیدھے سادے باشندے یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا وہ بھی اسلامی نظام ہے جس کی انصاف پروری کے بارے میں بلند و بانگ دعوے کئے جاتے ہیں۔؟

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء ۔ مسٹر لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا۔ خواجہ ناظم الدین نے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے ان کی جگہ لینے کے لئے (گورنر جنرل کی) کرسی سے اتر آئے۔ مسٹر غلام محمد نے جو ایک سرکاری ملازم تھے۔ (گورنر جنرل کی) خالی کرسی پر قبضہ کرنے کی کامیاب سازش کی۔

۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء ۔ گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو قومی پارلیمنٹ کا سامنا کرنے کا موقع دیئے بغیر اسے برطرف کر دیا۔ اس اقدام سے بنگالی مزید ناراض ہوئے وہ اسے بنگالیوں کے خلاف سازش تصوّر کرتے تھے۔ اس پر غلام محمد نے جلدی ایک اور بنگالی مسٹر محمد علی بوگرہ کو جو واشنگٹن میں متعین پاکستان کے سفیر تھے، طلب کیا اور وزیرِ اعظم مقرر کر دیا مشرقی بنگال میں مسٹر بوگرہ کی کوئی سیاسی حیثیت نہیں تھی اس لئے وہ اپنے پنجابی سرپرست غلام محمد کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء ۔ گورنر جنرل غلام محمد نے آئین ساز اسمبلی توڑ دی۔ محمد علی بوگرہ نے پارلیمنٹ کی عدم موجودگی میں نئی حکومت تشکیل دی، جس میں کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان وزیر دفاع تھے۔

۶ اگست ۱۹۵۵ء ۔ بیمار سازشی مسٹر غلام محمد نے بالآخر عہدہ چھوڑ دیا۔ (میجر جنرل ریٹائرڈ) مسٹر اسکندر مرزا نے جو ایک غیر سیاسی مکین عیار آدمی تھا، ۷ ستمبر کو گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ اس نے مسلم لیگ کے نامزد (سرکاری ملازم) چوہدری محمد علی کو وزیرِ اعظم مق[...]
رہنما کی حیثیت سے حسین شہید سہروردی [...]
حق کا دعویٰ کیا تھا۔ بنگالیوں نے اس [...]
سازش سے تعبیر کیا جس کے تحت بنگالی [...]
محروم رکھا جا سکے۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء ۔ جنرل محمد ایو[...]
صدر اسکندر مرزا نے آئین منسوخ کر [...]
ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ جنرل ایو[...]
ایڈمنسٹریٹر بن گیا۔ اس انقلاب نے بنگا[...]
استعمال کرنے کی خواہشات پر مہر ثبت کر[...]

۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء ۔ جنرل ایوب خا[...]
کو ہٹا کر، اسے لندن بھیج دیا اور خود فیلڈ مار[...]
اختیارات سنبھال لئے۔ اس نے اپنی مرضی [...]

یس سر کہنے والوں کی صلاحیتِ ختم اور قوتِ فیصلہ ضبط ہو جاتی ہے

منتخب سیاسی رہنماؤں اور چور دروازے سے اقتدار حاصل کرنیوالوں میں فرق کیا ہے

ظفر قریشی

لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ فوجی آمر آغا محمد یحییٰ خان اقتدار کی منتخب نمائندوں کو منتقلی کے سلسلے میں مخلص نہیں تھا وہ سیاستدان نہیں تھا اور اس کے باوجود صدر کی حیثیت سے برقرار رہنے کے لئے سیاسی توڑ جوڑ کرتا رہا جس کے نتیجے میں ملک

ٹوٹ گیا اگر ملک نہ ٹوٹتا اور حالات ایسے ہو جاتے کہ یحییٰ خان کے بغیر انتخابات کرانے پر آمادہ نہیں ہوتے [...]
کر اقتدار چھوڑنا پڑتا تو جنرل گل حسن اس کے بعد حاکم بنتا لیکن فرمان علی کے ذریعے کہلواتے ہیں کہ انتقال ا[...]
ایسی صورتحال نہ تھی سابق فوجی حکومت کی قیادت میں ملک کی دراصل ملک کے لیئے خطرناک ہو[...]
پسپائی اتنی شرمناک تھی کہ جنرل گل حسن حکومت پر قبضہ کرنے منتقل ہی کیوں کیا جائے کیوں نہ ایسا انتظ[...]
ترکی میں ہے ایسے لوگ یہ دلیل دیتے [...]
ہیں کہ جدید ترکی کی بنیاد ایک فوجی نے رکھ[...]
فوج کی تنظیم نو میں اسی کا ہاتھ تھا اور [...]
قومی فوج بنایا تھا جس کی ملک کے کسی خو[...]
سے نسبت نہیں ہوتی گو بعد میں امریکا اثر [...]

[...] کی روایت پر عمل کرنے کی ہمت نہ کر[...]
[...] ماسٹر یہ تھا کہ اقتدار انتخابات میں جی[...]
جیتنے والی جماعت کے حوالے کر دیا جا[...]
اندازوں میں غلطی ہوئی وہ یہ سمجھا کہ اگر [...]
سیاستدان کے حوالے کیا ہے وہ اسی طرح ا[...]
رہے گا جس طرح محمد علی بوگرا، چودھری غ[...]
بنا تھا ممکن ہے کہ اگر مذکورہ سیاستدان ک[...]
ہوتی اور وہ عام انتخابات جیتے ہوئے [...]
بن جاتا منتخب سیاسی رہنماؤں اور [...]
ایوانِ اقتدار میں داخل ہونے والے باہی[...]
درمیان یہی وہ واضح فرق ہوتا ہے جس [...]
کے فوجی حکمران خوف کھاتے ہیں منتخب نا[...]

میرے اختی[...]

...ر کیا گو عوامی لیگ کے
...ں نے حکومت بنانے کے
...اقدام کو ایک اور
...وں کو سیاسی اقتدار سے

...ب خان کی حمایت سے
...ر اسمبلی توڑ دی اور
...ب خان چیف مارشل لا
...گالیوں کی سیاسی حقوق
...کر دی۔
...خان نے صدر اسکندر مرزا
...مارشل کا عہدہ دے کر تمام
...ں کے گورنروں کی مدد سے

...ر سکا دوسرا آبرومندانہ
...ں بھاری اکثریت سے
...جائے لیکن یہاں اس کے
...ر الحق نے اقتدار جس
...طرح اس کی کٹھ پتلی بنا
...دھری غلام محمد کے ہاتھوں
...ان کی سیاسی بنیاد نہ
...ہوئے نہ ہوتا تو وہ کٹھ پتلی
...در دروازے سے
...ے سیاسی رہنماؤں کے
...ے جس سے ہر ترقی پذیر ملک
...بت تاریخ کی یقین دہانی
...ں ہوتے اور کسی جنرل راو
...ہ انتقال اقتدار کا مرحلہ ہی
...ہوتا ہے اس لئے اقتدار
...ر ایسا انتظام کیا جائے جیسا
...یل دیتے وقت بھول جاتے
...وجی نے رکھی تھی ترکی کی
...تھ تھا۔ اور اسی نے اسے
...ے کے کسی مخصوص علاقے
...ں امریکا اثرات کے تحت

مشرقی پاکستان پر حکومت شروع کی چونکہ مسلح افواج میں بنگالیوں کی بہت کم نمائندگی تھی۔ اس لئے انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں غیر معینہ مدت کے لئے سیاسی اختیارات استعمال کرنے کے حق سے محروم کیا جارہا ہے وہ دروں بینی پر مجبور ہو گئے۔ مارشل لاء کے ظلم و جبر نے صوبائی تعصب کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔

۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء۔ فیلڈ مارشل (ر) ایوب خان نے اقتدار فوج کے سربراہ جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دیا جس نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ سڑکوں پر (ایوب خان کے خلاف) جو ہنگامہ ہو رہا تھا، وہ چوبیس گھنٹے کے اندر ختم ہو گیا۔

۲۶ مارچ ۱۹۶۹ء۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل یحییٰ خان نے قوم سے اپنے پہلے خطاب میں جمہوریت کی جلد از جلد بحالی اور عوام کے نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی کا وعدہ کیا۔

(کرنل صدیق سالک کی کتاب وِٹنس ٹو سرنڈر سے)

اس فوج کی ہیئت تبدیل ہوئی اور اسے بتدریج مخصوص مفادات کی نگرانی کا فرض سونپا گیا جس سے اس کی قومی حیثیت متاثر ہوئی اور عدنان مندریس دار پر چڑھے اس واقعے کے بعد اس میں کچھ دراڑیں پڑیں لیکن مجموعی طور پر احترام کا وہ عنصر برقرار ہے جس کی بنیاد پر اسے قانون سازی کے عمل اور ملک کے انتظام میں شریک کیا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں یا تیسری دنیا کے کسی اور ملک میں یہ صورتحال نہیں ہے اس لئے اس قسم کی تجویزیں جب بھی آئیں گی اندرون ملک یا بیرون ملک کے مخصوص مفادات کی طرف سے آئیں گی اور عوام اگرچہ کس نہ ہے تو ان پر مسلط کر دی جائیں گی۔ ایسی صورت میں ملک کا کیا حشر ہوگا۔ یہ سوچ کر ہی کوئی بھی محب وطن لرز جاتا ہے کیونکہ آئین کے تحت وردی پوشوں کو مداخلت کرنے یا ترکی کی طرح پارلیمنٹ میں ان کی نشستیں مخصوص کرنے اور کاروبار حکومت اور سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاص علاقے کے ہاتھ میں (جو پہلے ہی آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا ہے) نہ صرف جمہوری اکثریت اور فوجی طاقت ہو گی بلکہ آئینی اختیار بھی ہوگا اور ان تینوں ذرائع سے وہ قانون کی اپنی مرضی کے مطابق تشریح کرائے گا اپنی مرضی کے مطابق قوانین نافذ کرے گا جو لوگ اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے سیاسی سماجی اور اقتصادی حقوق کا مطالبہ کرینگے

وہ ملک دشمن اور اسلام دشمن قرار دیئے جائیں گے اور تعزیری قوانین کی مدد سے ان کی کھالیں کھنچوائی جائیں گی تاریخ کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان کوششوں کے خلاف آواز اٹھانے والے کم ہونگے اور ان سے با آسانی نمٹ لیا جائے گا لیکن سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ہونے والی برق رفتار ترقی اور تعلیم کے تناسب کے حوالے سے دیکھا جائے تو مزاحمت کا امکان نظر آتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس علاقے کے تاریخی مزاج کو فتح ہوتی ہے یا عام شہر لوید کے جدید ترقی یافتہ ذہن کو اگر وہ سر جھکا کر ہر بات پر "یس سر" کہتے ہیں تو اس کے بعد مزید گفتگو کی گنجائش نہیں رہتی اور اگر روک ٹوک کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ ہم ایک روشن اور تابندہ مستقبل کی طرف رواں ہیں۔ یس سر کے ضمن میں کرنل صدیق سالک کی حیران کن حد تک معروضی کتاب "وٹنس ٹو سرنڈر" کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا اس کتاب میں انہوں نے جگہ جگہ اور بڑی صاف گوئی کے ساتھ ان کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے جو ہر معاملے میں مسلسل یس سر کہتے رہنے کے نتیجے میں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں یعنی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم اور قوت فیصلہ ضبط ہو کر رہ جاتی ہے۔

صفحہ ۱۳ پر موصوف لکھتے ہیں۔

کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب خان کے ساتھ اپنی اگلی ملاقات میں میں نے بتایا کہ بنگالی اور مغربی پاکستانی افسروں کے درمیان اعتماد قطعی مفقود ہو گیا ہے وہ چونکہ مجھ سے زیادہ عقلمند تھے اس لیے انہوں نے میرے تجربے کو اس نظر سے نہیں دیکھا جس نظر سے میں نے دیکھا تھا انہوں نے دانشورانہ انداز میں وضاحت کی میں اپنے

...ر میں واپس چلا آیا جنرل اور میں غالباً افسروں کی دو مختلف کیٹیگریوں کی نمائندگی کرتے تھے جونیئر افسر اپنے محدود تجربے کے سبب رائی کا پربت بناتے تھے جبکہ سینئر افسر جن کے پاس گہرائی اور گیرائی تھی پربت کو رائی بناتے تھے درحقیقت رائی یا پربت کے بارے میں کچھ واضح نہیں تھا ہر چیز پر فوجی ڈسپلن کی دبیز تہہ جمی ہوئی تھی عوامی لیگ اور اس

کے حامیوں کو یہ تہہ اکھاڑنے کے لئے پورا ایک انتخابی سال ملا۔ صفحہ ۱۶ پر وہ لکھتے ہیں۔

مشرقی پاکستان کے گورنر وائس ایڈمرل ایس ایم احسن نے جنرل یحییٰ خان کی صدارت میں ہونے والے کابینہ کے ایک اجلاس میں قومی سالمیت کے مقابلے میں چھ نکات کا مسئلہ اٹھایا وضاحت چاہی اور سوال کیا کہ کیا چھ نکات کی تبلیغ و تشہیر مارشل لاء ضابطہ نمبر ۱۶ کی خلاف ورزی ہے؟ "اس پر ان سے کہا گیا کہ وہ اس سلسلے میں پریشان نہ ہوں" لیکن ملک میں بہت سے لوگوں کو تشویش تھی عوام کی اس تشویش کو مدنظر رکھتے ہوئے صدر نے اپنی سرکاری مصروفیات کے باوجود ۳۰ مارچ کو ایک تقریر میں یقین دلایا کہ میں کوئی ایسی چیز تسلیم نہیں کروں گا جو ہماری قومیت کے بنیادی اصولوں کی نفی کرتی ہو اور اس کے بعد لیگل فریم ورک آرڈر جاری کیا گیا۔

کرنل سالک کے مطابق لیگل فریم ورک آرڈر کے سیکشن ۲۵ اور ۲۷ کے مندرجات سے مجیب کو اختلاف تھا جن کے مطابق قومی اسمبلی میں اکثریتی نشستیں حاصل کر لینے کے باوجود وہ اپنے چھ نکات اس وقت تک نافذ نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ اس کے آئینی بل پر صدر کی منظوری نہ ہو۔ مجیب نے ناراضگی کا اظہار کیا تو یحییٰ خان نے مذکورہ

...اختیارات میں کون شریک ہے مجھے کوئی نہیں ہلا سکتا

دونوں سکیشنوں میں ترامیم کا وعدہ کر لیا لیکن بعد میں چند لوگوں کے سمجھانے پر کہ مقابلہ سیاستدانوں سے ہے ترامیم کے نتیجے میں یحییٰ خاں اپنے ترکش کے تمام تیر ضائع کر دے گا۔ اس نے ان ترامیم کا اعلان نہیں کیا۔

صفحہ ۱۷ پر صدیق سالک کے مطابق ۱۰ اپریل کو یحییٰ خاں جب مغربی پاکستان واپس جا رہے تھے ہوائی اڈے پر انہیں ڈھاکہ پریس نے گھیر لیا اور ایل ایف او کے متنازعہ سیکشنوں کے بارے میں دریافت کیا ... یحییٰ خاں نے کہا یہ محض ضابطے کی کارروائی ہے میں انہیں (ویٹو کے اختیارات) استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا"

صفحہ ۲۳ پر وہ لکھتے ہیں کہ ان کی ملاقات ایک بنگالی بیرسٹر سے ہوئی جس نے کہا "قانون کا خواہ وہ مارشل لاء ہی کیوں نہ ہو مضحکہ نہ اڑائیے یا تو اسے موثر طور پر نافذ کیجئے یا اٹھا لیجئے جنرل یعقوب کے ساتھ اپنی ایک غیر رسمی ملاقات میں میں نے انہیں بتایا کہ عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ مارشل لاء پوپلا ہے اس کے جواب میں انہوں نے ایڈیٹروں سے ایک ملاقات کے دوران کہا۔

پاکستان کے عوام کے لیئے مارشل لاء دہشت کی علامت ہے لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ مارشل لاء حکومت ملک کو جمہوریت کی طرف لے جا رہی ہے حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اور مارشل لاء ایک دوسرے کی ضد ہیں مارشل لاء اپنے روایتی معنوں میں جمہوریت کو جڑ پکڑنے نہیں دے گا اسی لیئے اس سرزمین پر جمہوریت کی نشوونما کے لیئے ضروری ہے کہ مارشل لاء کی روایتی کاٹ کم ہو۔ ہمیں بے عملی اور ضرورت سے زائد عمل کے درمیان توازن رکھنا ہوگا۔ کبھی کبھی آپ سوچتے ہوں گے ہم بے عمل ہو گئے ہیں لیکن ہمیں یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ یہ بھی ضرورت سے زیادہ عمل تو نہیں؟ وغیرہ ایڈیٹر اس دلیل سے بہت متاثر ہوئے۔

انتخابات میں عوامی لیگ کی فتح کا یقین ہو چلا تھا اور ہر شخص اس کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ عین اسی زمانے میں خود عوامی لیگ کو خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں انتخابات بھی ملتوی نہ ہو جائیں صورتحال غیر یقینی اور خطرناک تھی۔ اسی خدشے کے نتیجے میں افواہ اڑ گئی کہ پاکستانی فوج کے چیف آف اسٹاف جنرل حمید نے یحییٰ خاں کو ہٹا دیا ہے اور خود پورے اختیارات سنبھال لیئے ہیں اور یہ کہ وہ انتخابات کو منسوخ کر کے نئے سرے سے شروع کرنا چاہتے ہیں اتفاق کی بات ہے کہ دونوں ان دنوں ڈھاکہ میں تھے۔

(صفحہ ۲۶ میں غیر ملکی صحافی نے صدر یحییٰ خان سے ڈھاکہ میں سوال کیا۔

"جناب صدر۔ کیا پورے ملک کی صورتحال آپ کے قابو میں ہے؟"

ہاں۔ ہاں، قطعی، صدر نے اپنی بھاری پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"لیکن افواہیں تو ہیں کہ ....."

صدر کا پیمانۂ صبر جواب دے گیا۔ انہوں نے کہا عجیب و غریب بات ہے، فضول بات ہے اور اچانک بائیں طرف کو مڑ گئے جہاں میں اور دیگر افسر کھڑے تھے" میرے اختیارات میں کون شریک ہے؟ کوئی مجھے ہلا نہیں سکتا جب تک میں نہ ہلوں۔ وہ ہونٹ بھینچتے ہوئے چھڑی ہلاتے ہوئے پی آئی اے کے لونگ میں بیٹھ گئے۔

طاقت کا غرور عقل بھی سلب کر لیتا ہے ملاحظہ

کیجئے کہ صفحہ ۲۹ پر صدیق سالک نے کیا لکھا ہے

پارٹی کے سربراہ شیخ مجیب الرحمان نے انتخابات کے دو دن بعد اعلان کیا کہ "بنگلہ دیش کے عوام کے لیئے انتخابات چھ نکات کی بنیاد پر مکمل علاقائی خود مختاری کے اہم مسئلے پر ریفرنڈم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیئے چھ نکاتی فارمولے کی بنیاد پر مکمل علاقائی خود مختاری کا ضامن آئین تشکیل دیا جانا

چاہیئے اور نافذ کیا جانا چاہیئے۔"

یہ قومی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کے رہنما کا فیصلہ تھا اگر وہ تنہا حکومت کرنا چاہتا تو پاکستان کا غیر متنازعہ رہنما بننے سے اسے کون روک سکتا تھا؟ کیا فوج وقار کے ساتھ کاروبار حکومت سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اور منتخب رہنماؤں کو اپنا کام کرنے کی اجازت دے گی۔؟ یہ وہ چند سوال تھے جو انتخابات کے فوراً بعد ڈھاکہ میں ہمارے ذہنوں میں تھے ان سوالوں کا جواب یحییٰ کے اعتماد کے ایک جنرل نے جو دسمبر کے آخر میں ڈھاکہ آیا تھا۔ ایک غیر رسمی گفتگو کے دوران یوں دیا۔

"پریشانی کی بات نہیں ہے۔ ہم ان کالے حرامیوں کو اپنے اوپر حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ مجیب الرحمان تک پہنچ گیا اس نے انتخابات کرانے کا وعدہ پورا کرنے پر یحییٰ خان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ یحییٰ کے ماتحتوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو انتخابی نتائج کے خلاف سازش کر رہے ہیں"

سیاست یحییٰ خان اور اس کی قبیل کے لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ سیاستدانوں نے جن میں مجیب بھی شامل تھا غاصب ڈکٹیٹر کو ایسے چکر دیئے کہ صدیق سالک کے مطابق اس نے پروفیسر جی ڈبلیو چودھری سے نہایت مایوسی کے عالم میں کہا۔ ہم تم سیاستدان نہیں ان کا ذہن اور سوچنے کا انداز سمجھنا میرے بس کی بات نہیں بہتری کی دعا ہی کی جا سکتی ہے (صفحہ ۳۴)

دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ سیاستدانوں سے "صدر" کی حیثیت سے اپنے آپ کو برقرار رکھنے کے لیئے جوڑ توڑ کرتا رہا اور سیاست لڑاتا رہا جس کا نہ اسے تجربہ تھا اور نہ تربیت دی گئی تھی اور جب وہ ناکام ہو گیا اور اس ناکامی کا خمیازہ ملک کو بھگتنا پڑا تو کہنے لگا کہ میں تو کسی اور کے مشورے پر عمل کر رہا تھا۔

"یہی موقف اس سے قبل وقتاً فوقتاً سازشوں کے ذریعے برسر اقتدار آنے والوں نے اختیار کیا تھا لیکن سبق کسی نے نہیں سیکھا۔

جماعت اسلامی جنگ پر مکمل کنٹرول کرنا چاہتی ہے

سیّد قائم علی شاہ کی ہلاکت کی خبر سازش ظفر رضوی کے خلاف ہے

شبیہ الحسن

روزنامہ جنگ اردو کے چند اور اپنے دعویٰ میں واحد اخبار ہے جس کو اپنی سرکولیشن اور اشتہارات کی اشاعت پر غرور کی حد تک فخر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر حکومت اور سیاسی پارٹی نے اپنی ساکھ اور بھرم قائم رکھنے کے لئے اس اخبار کا سہارا لینے کی کوشش کی۔ اور جس کے نتیجے میں یہ اخبار سیاسی اتار چڑھاؤ کا بیرومیٹر بن گیا۔ باریک بین حضرات سیاسی تبدیلی کا اندازہ اخبار کی پالیسی سے لگاتے ہیں۔ ایوب خان ہوں یا یحییٰ، پیپلز پارٹی کا دورِ حکومت ہو یا موجودہ حکومت، کسی اہم یا خاص خبر کی اشاعت کے ساتھ سیاسی حلقوں میں بحث و مباحثہ اور چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

اخبار کی اس اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہر سیاسی پارٹی اقتدار میں آنے سے قبل اور اقتدار کے دوران اس بات کی پوری کوشش کرتی ہے کہ اس کے اخبار سے تعلقات خوشگوار رہیں۔ خصوصی طور پر جماعت اسلامی جو پروپیگنڈے پر خاصی بڑی رقم سالانہ خرچ کرتی ہے اور ذرائع ابلاغ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لئے نت نئی سازشوں کے جال تیار کرتی ہے۔ ابتدا سے جنگ کو اپنے کنٹرول میں لینے کی اسکیمیں تیار کرتی رہی ہے۔ اس نے پارٹی اخبار نکالنے کا بھی تجربہ کیا، مگر زیادہ کامیاب ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ اس کے جرائد اور اخبارات کو کبھی بھی عوام میں مقبولیت حاصل نہیں ہو سکی۔ چنانچہ جسارت کی اشاعت کے بعد بھی جماعت والوں نے جنگ کو مرکزِ نگاہ بنائے رکھا۔ ۱۹۷۰ء میں جب پی ایف یو جے کی قیادت میں ملک بھر کے صحافیوں اور پریس کارکنوں نے عبوری امداد کے حصول کے لئے دس روزہ ملک گیر ہڑتال کی تو جماعت اسلامی کے اسٹریٹجی کے مطابق اس کے صحافی کارکن ہڑتال توڑ کر جنگ پر شب خون مارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی زمانے میں جماعت اسلامی کے رکن محمود احمد مدنی نے میر خلیل الرحمٰن پر اپنی غیر مشروط وفاداری کا سکہ بٹھایا۔ اور مختصر مدت میں کامیابی کی منازل طے کرتے ہوئے بالآخر یوسف صدیقی کی ریٹائرمنٹ کے بعد اخبار کے ایگزیکٹو ایڈیٹر کے منصب پر قبضہ جما لیا۔ اخبار کے مالک ایک ذہین اور کاروباری آدمی ہیں۔ وہ دائیں بائیں کو بیلنس کر کے چلتے ہیں۔ لیکن محمود احمد مدنی کے ذریعہ جماعت اسلامی نے جنگ کو مکمل طور پر مسخر کرنے کی جو چال چلی تھی اس کو وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور ذہانتوں کے باوجود ناکام نہ بنا سکے۔ اور جنگ کے عملہ بالخصوص نیوز روم میں جماعت کا پریشر بڑھ گیا۔

جماعت اسلامی اور انٹیلی جنس کے ایک ڈی ایس پی کے یارِ غار محمود احمد مدنی کے ایگزیکٹو ایڈیٹر بن جانے کے بعد نیوز ایڈیٹر کی جو جگہ خالی ہوتی تھی اس پر ملازمتوں کے رولز کے مطابق سینئر صحافی ظفر رضوی کی ترقی یقینی تھی، لیکن محمود مدنی کے ذریعہ جماعت کا دباؤ تھا کہ اس منصب پر کسی روشن خیال اور ترقی پسند صحافی کی بجائے جماعت کے کسی خاص آدمی یا ہمدرد کو ترقی دی جائے۔ چنانچہ نیوز ایڈیٹر کے منصب پر تقرری یا ترقی کا مسئلہ کافی عرصہ تک کھٹائی میں پڑا رہا۔ میر صاحب عجیب و غریب مخمصے میں پھنسے ہوئے تھے۔ ایک طرف حق و انصاف کا تقاضہ تھا کہ وہ اس عہدے پر جائز حقدار کو ترقی دیں، دوسری طرف محمود احمد مدنی کا پریشر تھا کہ ظفر رضوی کو ترقی نہ دی جائے۔ سننے میں آیا کہ موصوف نے یہاں تک مشورہ دیا کہ اس عہدے کو خالی رکھا جائے۔ خبروں کی خبر گیری کا کام وہ خود انجام دیں گے۔ لیکن شاید میر صاحب کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ وہ اس عہدے کو خالی رکھیں۔ لہٰذا چھ ماہ کے پروبیشن پیریڈ کے ساتھ ظفر رضوی کو نیوز ایڈیٹر بنا دیا گیا۔ ظاہر ہے یہ بات محمود احمد مدنی اور جماعت اسلامی کی کھلی شکست تھی۔ اور اس پر ان کی تلملاہٹ بالکل جائز تھی۔

اس پس منظر کے ساتھ اگر جنگ کی ۲۱ فروری کی اشاعت میں پیپلز پارٹی کے رہنما سیّد قائم علی شاہ کی ہلاکت کی جھوٹی خبر کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ اس سازش کا اصل نشانہ ظفر رضوی ہے جس کی نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے ترقی آزمائشی مدت ختم ہونے سے پہلے اگر ختم نہیں ہوئی تو مشکوک ہو گئی۔ ۲۲ فروری کی اشاعت میں اخبار کے مالک و ایڈیٹر انچیف میر خلیل الرحمٰن کا جو معذرت نامہ شائع ہوا اُس میں انہوں نے اس خبر کی اشاعت کی ساری ذمہ داری ظفر رضوی پر ڈالتے ہوئے لکھا۔ "بدھ کی رات کو روزنامہ جنگ کے ایک سینئر رکن ظفر رضوی نیوز روم کے انچارج تھے۔ انہوں نے یہ خبر مناسب تصدیق اور جانچ پڑتال کے بغیر شائع کر دی جو بعد میں غلط ثابت ہوئی۔" انہوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ "اس طرح ادارہ جنگ کو انتہائی شرمناک اور گھناؤنی سازش کا نشانہ بنایا گیا۔" اہم بات یہ ہے کہ میر صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اخبار کو سازش کا نشانہ بنایا گیا۔ چونکہ وہ اس اخبار کے مالک اور ایڈیٹر انچیف ہیں۔ اس لئے وہ بجا طور پر اس گھناؤنی سازش کا نشانہ اپنے اخبار ہی کو قرار دیں گے اور انہیں دینا بھی چاہیئے۔ ویسے بھی چند روز قبل ان کے اخبار میں "پھر وہی پریس اینڈ دائش" کے عنوان سے سرکاری پریس اینڈ دائش کے خلاف اداریہ سپردِ قلم

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

سچ نما

اندیشۂ فردا اور فکرِ امروز

حاجی عدیل

محترم قارئین کرام

آپ نے یقیناً پڑھا ہوگا کہ مارشل لا حکومت کے معاون خصوصی مفتی محمود نے جناب بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کر کے امریکہ، روس، فرانس، چین، برطانیہ اور دیگر سربراہانِ مملکت و دیگر سیاسی شخصیات وغیرہ کے نام کے ساتھ اپنا نام لکھوانے سے انکار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی فرد کی جان بخشی کی اپیل کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لینے پر قطعی تیار نہیں ہیں کیونکہ یہ ذمہ داری صدر مملکت کا آئینی حق اور ذمہ داری ہے اور وہ اس ذمہ داری میں کسی کو حصہ دار کرنا چاہتے ہیں تو کریں، میرے ٹھینگے سے۔! البتہ مجھے اس ذمہ داری کے بوجھ سے محفوظ ہی رکھیں۔ کیونکہ میرے سر پر ابھی کئی بوجھ رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً عام انتخابات سے قبل بلدیاتی انتخابات کی آمد کو روکنا — جنرل ضیاء سے مذاکرات کے کھیل کو جاری و ساری رکھنا — اصلی اسلامی نظام سے نقلی نظام اسلام کا تقابل کر کے یہ ثابت کرنا کہ واقعتاً نقلی ہی اصلی ہے۔ جماعت اسلامی کے نئے نیفر دل (محاورے والے "نئے نفیر کو بھیک کی جلدی") کی جلد بازی، منہ زوری دو دلی، بدمستی اور کذب بیانی کو خندہ پیشانی سے مسکرا مسکرا کر برداشت کرنا — ہر دوسرے دن جنرل ضیاء سے کئے گئے عہد وفا کی تجدید کرتے ہوئے حکمِ حاکم پہ سرِ تسلیم خم کی ریت نبھانا — پی این اے کے حکومت سے تعاون یعنی ملی بھگت کو لمحہ لمحہ ہر صورت میں جاری و ساری رکھنے کے لئے قلا بازیاں کھانا — وغیرہ وغیرہ۔

صاحبو!۔ بھلا اتنے سارے ضروری اور فوری نوعیت کے کاموں کے بعد جان بخشی کی اپیل جیسے غیر اہم، غیر ضروری کام کے لئے مفتی محمود جیسے بیمار آدمی کے پاس وقت کہاں سے آئے گا؟ ایسے سارے غیر اہم فالتو، فضول کام تو صرف روس، امریکہ، چین فرانس، برطانیہ اور دیگر غیر اہم ممالک کے سربراہ، سیاستدان اور مذہبی پیشوا ہی کر سکتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے اور یہ غیر اہم شخصیات غیر اہم سیاسی رہنما کی جان بخشی کی اپیل کر کے اپنے فضول وقت کا مصرف نکال لیتے ہیں۔

نیک دل صاحبو! چونکہ مفتی محمود کے پاس وقت کی قلت ہے اس لئے چلیئے ذرا مارشل لا حکومت کے زیر سایہ چلنے والے محکمہ اطلاعات کے دریچوں میں جھانکتے ہیں — وہ دیکھئے۔ آج یہاں کے سارے لوگ پاکستان کے ایک بڑے اخبار کا اداریہ بعنوان "پھر وہی پریس ایڈوائس" پڑھ رہے ہیں۔ دریچوں سے چیدہ چیدہ جملے ہماری طرف بھی آ رہے ہیں — ہمارے سابق آئینی صدر جناب چودھری فضل الٰہی کی جنرل ضیاء سے جناب بھٹو کی جان بخشی کی اپیل، اپیل کی نامنظوری کی صورت میں رونما ہونے والے حالات کی پیش بینی، بی بی سی سے اس اپیل کا نشر ہونا اور ہمارے محکمہ اطلاعات کی جانب سے اس اپیل کو شائع نہ کرنے کے سلسلے میں جاری ہونے والی "پریس ایڈوائس"۔ اس پر بڑے اخبار کے اداریہ نویس کی خوش بیانی، لن ترانی، دلائل اور مؤدبانہ دریافتِ احوال وغیرہ ہمارے ایک کان سے داخل ہو کر دوسرے کان سے خارج ہوتے رہے لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ہر آنے والی حکومت کا ڈھنڈورچی اور ہر جانے والی حکومت کا نکتہ چیں اخبار آج کیوں گرمی دکھا رہا ہے؟۔ ملک سے آئینی اور منتخب حکومت غائب ہوگئی — مارشل لاء لگ گیا — نام نہاد سول حکومت بن گئی اور کئی طوفان آئے لیکن اس اخبار کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ پریس ایڈوائس تو ان طوفانوں کے مقابلہ میں کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی پھر اس پر اس اخبار کا چراغ پا ہونا جنرل ضیاء سے مؤدبانہ گزارش کرنا، جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات کو آنکھیں دکھانا ہماری سمجھ میں اس وقت تک نہیں آیا جب تک ایک اور اطلاع نے ہماری طرف رجوع نہیں کر لیا۔

صاحبو! ہمارے ایک دوست نے ہماری صورتحال پر ترس کھاتے ہوئے کہا۔ یار تم کہاں اس بڑے اخبار کے اداریے پر غور و فکر میں لگے ہوئے ہو۔ یہ اداریہ تو محض اس لئے وجود میں لایا گیا کہ حکومت نے اس اخبار کے اشتہارات کی ترسیل کے آگے دیوار کھڑی کر دی ہے۔ یعنی حکومت کے اشتہارات بند — جب اشتہارات ہی بند ہو جائیں یعنی مال ہی کی ترسیل رک جائے تو پھر "دوستی" کہاں کی — اخبار اور حکومت کی دوستی تو مشروط ہوتی ہے — غیر مشروط دوستی رکھنے والے اخبارات تو عتاب کا شکار اور زیر عتاب ہوتے ہیں — ان کے ڈیکلریشن منسوخ ہوتے ہیں — ان کے دفاتر پر پولیس چھاپے مارتی ہے — انہیں ضبط کیا جاتا ہے — ان پر سنسر شپ لگائی جاتی ہے — ان کے مدیران اور مضامین نگاروں کو گرفتار کیا جاتا ہے — ان پر مقدمات بنائے جاتے ہیں — وغیرہ وغیرہ۔ ہماری سمجھ میں اپنے دوست کی بات فوراً آ گئی۔ اور ہم مطمئن ہو گئے۔ اس کیفیت اطمینان میں ہم نے اس بڑے اخبار کا ایک اداریہ اور پڑھا جس میں حکومت کے کپڑے اتارنے کی کوشش کی گئی تھی — دوسرے اداریئے کے بعد اخبار امن و سکون کا شکار ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں۔ ؟ غائب کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

صاحبو!۔ اس اخبار کے پہلے مخالفانہ اداریے میں تنقید کے تیر و نشتر پوری حکومت کی طرف نہیں بلکہ نامزد وفاقی وزیر اطلاعات جناب فاروقی کی طرف تھے اور جماعت اسلامی کو بھی حریت پسند "آزادیٔ رائے کی حامی اور اسلامی عدل و انصاف کی علمبردار تنظیم کہہ کر گالی دینے کی کوشش کی گئی تھی اور اس کے پڑھے لکھے نامزد وزیر اطلاعات کو جنرل ضیاء کے دوست نما دشمنوں کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے جنرل ضیاء سے کہا گیا تھا کہ حضور! ان سے ہوشیار رہیئے اس لئے کہ آپ کی حکومت کے خلاف "قرطاس ابیض" ترتیب دینے میں یہ لوگ پیش پیش ہوں گے۔

صاحبو! اس بڑے اخبار کے مذکورہ اداریئے کی فرضی حمایت میں جماعت کے آرگن اخبار نے بھی اداریہ لکھ مارا، اور اپنے اداریے کی تان اس وضاحت پر توڑی کہ یہ پریس ایڈوائس وفاقی وزیر اطلاعات کی غیر موجودگی میں جاری ہوئی ہے اس لئے ان کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر وہ ملک میں موجود ہوتے تو ممکن ہے یہ پریس ایڈوائس جاری ہی نہ ہوتی۔ یہ سارا کام تو محکمہ اطلاعات میں بیٹھے ہوئے نوکر شاہی کے نمائندے کا ہے اور ہم وفاقی وزیر سے اپیل کریں گے کہ اگر انہوں نے پریس ایڈوائس کا حکم جاری نہیں کیا تھا تو اس نوکر شاہی کے نمائندے کے خلاف کارروائی کریں (اور اگر انہوں نے اس طرح کے احکامات دیئے تھے تو پھر ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟)

ہمارے خیال میں اس اخبار نے تو اشتہارات کی ترسیل بحال کرانے کے لئے زورِ قلم صرف کر دیا اور جس اخبار پر اشتہارات کی بارش ہو رہی ہے اس نے اپنے مہربان وزیر اطلاعات کی پگڑی سنبھالنے کے لئے کرتب دکھا دیا۔ دونوں نے اپنے کمال فن کا مظاہرہ کر دیا دیکھئے کون انعام کا حق دار قرار پاتا ہے۔

صاحبو! اس ہفتے بھی حالات جوں کے توں ہیں۔ جان بخشی کی اپیلیں جاری ہیں۔ جنرل ضیاء مختلف مسائل پر اظہار خیال فرما رہے

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

شاهد محمود ندیم

غلام عباس ایوب خاں سے ضیا تک مقدمات اور گرفتاریوں کا محور

ملک سلیمان اوتھ کمشنر سے کروڑپتی کیسے بنا ؟

ایوب خاں کا دور ـــــ سکول، نکالا، مقدمات، گھر والوں کی گرفتاری، مفرور۔

یحییٰ خاں کا دور ـــــ کالج نکالا، پولیس مقابلہ، مارشل لا ضابطہ ۹، ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۴۰ اور ۶۰، اشتہاری ملزم۔

بھٹو کا دور ـــــ دفعہ ۳۰۲ کے ۲۵ مقدمے، نظربندی مفرور، ضمانت، ۱۵ قاتلانہ حملے۔

ضیاء کا دور ـــــ مارشل لاء کے تحت ۳۵ مقدمات والد اور بھائی گرفتار، گھر پہ پولیس کا قبضہ، والد اور بھائی کا کاروبار سیل ـــ ابھی تک مفرور۔

غلام عباس ـــ پاکستان کی نئی نسل ہے۔ ہر دور میں معتوب ہر عہد میں مطلوب، ہر حکومت میں مفرور، ہر کسی کو اس کی تلاش ہے۔ ہر کوئی اسے پابند کرنا چاہتا ہے۔ ہر حاکم اسے خریدنا چاہتا ہے۔ اور ناکام ہونے پر باندھنا چاہتا ہے۔ لیکن نہ اسے کوئی خرید سکا ہے اور نہ ہی کوئی باندھ سکا ہے۔ وہ ہزار بندشوں میں بھی آزاد ہے۔ ہزار دیواروں کو بھی پھاندھ جاتا ہے۔ ہزار پہروں سے بھی بھاگ سکتا ہے۔ وہ آزاد ہے اور ایک محکوم، پابہ زنجیر، تن بہ تقدیر معاشرے میں اپنی فطری آزادی کے تحفظ کے لئے ریاست سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ کبھی اس کی بھی میٹھی آئے گی۔ گذشتہ پندرہ برسوں سے وہ چھپن چھپائی کا یہ کھیل کھیل رہا ہے۔ سکول کے زمانے سے جب وہ نویں جماعت کا طالب علم تھا ۱۹۶۴ء میں گورنر امیر محمد خاں کے خلاف جلوس میں شریک ہوا تھا۔ تو پہلی گرفتاری ہوئی تھی۔ اسرائیل کے عربوں پہ حملے کے خلاف جلوس نکالنے پہ دوسری مرتبہ حوالات کا تجربہ ہوا۔ پھر امریکی سفیر اور سی آئی اے کا انچارج فارلینڈ اس کے مرے کالج سیالکوٹ میں آیا تو اس نے ہنگامہ منظم کیا اور فارلینڈ کو انعام دیتے بغیر جانا پڑا۔ ۱۹۶۸ء کی تحریک میں مرے کالج یونین کے جنرل سیکرٹری اور سیالکوٹ کے طلبہ کی مجلس عمل کے چیف آرگنائزر کی حیثیت سے نمایاں حصہ لیا۔ پولیس والے اسے نہ تو پکڑ سکے، البتہ گھر والوں کو لے گئے۔ ایوب کا تختہ الٹنے تک وہ پولیس کے ہاتھ نہ آیا۔ اور تحریک کی قیادت کرتا رہا۔ ۱۹۷۰ء میں کالج یونین کے صدر اور پنجاب کے ممتاز طالب علم رہنما کی حیثیت سے اس نے یحییٰ خاں کی حکومت کے خلاف تحریک میں نمایاں حصہ لیا۔ پیپلز پارٹی کی اسلامی سوشلزم کی تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اسی دوران مرے کالج میں کانووکیشن کے لئے سی آئی اے کے ایک معروف ایجنٹ کو مہمان بلائے جانے پر آتشیں احتجاج کیا، کالج عمارت کو آگ لگادی گئی، طویل ہڑتال کروائی۔ اشتہاری قرار دیا گیا، شہر میں اشتعال پھیلا۔ بالآخر پولیس والوں نے ضمانت پر رہا کر دینے کی ضمانت دی۔ (کانووکیشن پھر ۷۴ء میں ہو سکا، جس میں اسے ۶ میڈل اور ۳ کلر ملے بہترین مقرر، بہترین کھلاڑی، بہترین جمناسٹ اور بہترین پہلوان کے انعامات سمیت)

پیپلز پارٹی کی حکومت میں جماعت اسلامی، مولانا کوثر نیازی اور وزیراعلیٰ رامے سبھی کے ستم کا نشانہ بنا، قید ہوا۔ زخمی ہوا، نظر بند ہوا۔ اقدام قتل کے مقدمے بنے موجودہ وزیر طلبہ جاوید ہاشمی کے خنجر کا زخم کھایا۔ مگر قابو نہ آیا۔ یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ، یونیورسٹی انتظامیہ اور صوبائی رامے حکومت کے ناک میں دم کئے رکھا، نیندیں حرام کئے رکھیں، زخمی ہوتا رہا صحت یاب ہو کر پھر میدان میں آجاتا رہا۔ دو مرتبہ یونین انتخابات میں عملاً جمعیت کو ہرا کر منتخب بھی ہوگیا ـــ کھر کے پیپلز پارٹی سے الگ ہونے پر ساتھ دیا۔ اس کا دستِ راست رہا۔ شعلہ بیانی اور جرأت و بیباکی سے حلقہ نمبر ۶ میں آگ لگادی۔ جب کھر نے مسلم لیگ جائن کی تو الگ ہو گیا۔

جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے بعد پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کی سرکاری حیثیت کے باوجود شدید مزاحمت کی اور بائیں بازو کے طلباء کا سمبل بن گیا۔ اورنٹیل کالج میں داخلہ لیا، نکال دیا گیا شعبہ فلسفہ میں داخل ہوا، ایم اے نہیں کرنے دیا گیا، لاء کالج میں داخلہ لیا، امتحان نہیں دینے دیا گیا۔ انٹرنیشنل آفیئرز میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ تو قانون میں ترمیم کر کے کلاسیں ملتوی کرادیں گئیں۔ گذشتہ ایک برس سے روپوش ہے۔ پولیس نے اس کی تلاش میں ملک بھر کو چھان مارا ہے۔ اس کے والد اور بھائی عرصہ تک قید رکھے گئے۔ اس کی والدہ کو بھی گرفتار کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ گھر کی ساری عورتیں شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئیں ـ سیالکوٹ میں والد کا فرنیچر کا کاروبار سرکاری طور پر تباہ کر دیا گیا۔ زمین غنڈوں کے نام الاٹ کر دی گئی۔ لاہور میں شادمان کالونی میں بھائی کی دکان سے بے دخلی کا نوٹس دلوا دیا گیا ضعیف والد پر تشدد کیا گیا حملے کرائے گئے مگر وہ اس دور میں بھی آزاد کشمیر، اسلام آباد، اور لاہور میں طلبہ کے جلسے کرتا رہا۔ انہیں منظم کرتا رہا۔ بلوچی، سندھی، پختون اور پنجابی طلبہ کے ایک پلیٹ فارم کے لئے کوشش کرتا رہا۔ افغان انقلاب کے حق میں جلسے کرتا رہا۔

پورے نظام کے ساتھ کبڈی کھیل رہا ہے۔ اس کے کسرتی، چاک و چوبند، تیل ملے جسم پر ان کے ہاتھ پڑتے ہیں اور پھسل جاتے ہیں۔ وہ مچھلی کی طرح ان کی گرفت سے نکل جاتا ہے۔ اور نہ ہی اس کا سانس ٹوٹتا ہے۔ وہ ان کے لئے چیلنج ہے، شرمندگی ہے، استہزا ہے، گالی ہے ـــ موت ہے۔ وہ غلام عباس ہے۔

"غلام عباس ان دنوں ظلم کی داستانوں کا بڑا چرچا ہے۔ تمہارے سیالکوٹ کے ملک سلیمان کی پر فارمنس بھی ہو چکی ہے۔ تمہاری باری کب آئے گی"۔

"ظلم کی داستان تو ابھی جاری ہے۔ ابھی تو داستان جوبن پر پہنچی ہے۔ یہی تو کلائمکس ہے۔ نوجوانوں کو کوڑے عورتوں کو سڑکوں پر گھسیٹنا، صحافیوں کو الٹا ٹکانا، طالبات کے گھروں پر حملے، یونیورسٹیوں میں سٹینگنیں کھلے عام لے کر پھرنا، پولیس کی گاڑیوں کے تحفظ میں دوسرے صوبے سے آئے ہوئے مہمان طلبہ پہ فائرنگ، ہزاروں محنت کشوں

کا معاشی قتل عام۔ اب کیا کیا بتاؤں۔ رہے یہ خود ساختہ سرکاری مظلوم تو ان میں سے ہر ایک کے قصے عوام اچھی طرح جانتے ہیں۔ ملک سلیمان سیالکوٹ کا بدنام ترین آدمی ہے۔ پیپلز پارٹی کے دور سے پہلے اوتھ کمشنر اور تصدیق کرنے والے منشی سے زیادہ حیثیت نہ تھی۔ اب کروڑوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ لاہور، اسلام آباد، اور سیالکوٹ میں شاندار بنگلے ہیں۔ ایجنسیاں ہیں، کاروبار ہیں۔ ایسی مظلومی کے صدقے جاؤں۔ میاں افتخار تاری کی غنڈہ گردی اور کرپشن کی داستانیں تو پنجاب بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ جاوید بندیر اور خواجہ رفیق کے قتل، مواصلات کی وزارت کے دوران لاکھوں کے کمیشن، اور ہیرپھیر، سٹیڈیم فائرنگ، لیاقت باغ فائرنگ، پیپلز پارٹی کے ترقی پسند عناصر کے خلاف کھلی غنڈہ گردی، کس کس داغ کو چھپایا جائے گا۔ جیالے رحیم صاحب ایئرکنڈیشنڈ بنگلے میں نظر بندی کو ظلم کی انتہا سمجھتے ہیں۔ اور جنرل جیلانی کو دور آتیں جاگنا وحشت و بربریت لگتا ہے۔ مگر وہ کیا جانیں ظلم کیا ہوتا ہے۔ آج کے پاکستان کے ہر صوبے کے محنت کش عوام اور سیاسی کارکن ظلم و ستم کے جس دور سے گذر رہے ہیں وہ ہماری تاریخ کا تاریک ترین باب ہے۔"

"تمہارے خاندان پر کیا بیتی؟"

"یہ پوچھیں کیا بیت رہی ہے۔ میرے والد کو گرفتار کرکے چار روز تک ان پر تشدد کیا گیا۔ اس دوران گھر پر چھاپہ مار کر میری والدہ کو بھی گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر محلے والوں کی مزاحمت سے یہ کوشش ناکام ہوئی۔ اس کے بعد والدہ اور دوسری خواتین نے گھر چھوڑ دیا۔ ۱۵ روز تک میرے گھر کے نزدیک پولیس کا محاصرہ رہا۔ میرے بھائی کو لاہور سے گرفتار کرکے ۱۴ روز تک شاہی قلعے میں اسے شدید ذہنی اور جسمانی اذیتیں دی گئیں۔ شادمان میں ہماری دکان کو سیل کر دیا گیا۔ سیالکوٹ میں میرے والد کے کاروبار کو تباہ کر دیا گیا۔ غنڈوں سے ان پر حملے کرائے گئے۔ میرے دوسرے بھائی نے عدالت میں والد اور بھائی کی رہائی کے لئے رٹ کی تو اس کی بھی شامت آگئی اس پر میرے کالج میں حملہ ہوا۔ جس پر طلبہ مشتعل ہو گئے اور کالج تین روز تک بند رہا۔ اب بھی آئے دن میرے گھر پر چھاپے مارے جاتے ہیں اور دھمکیاں دی جاتی ہیں مگر یہ سب کھیل کا حصہ ہے۔ جب میرا سانس ٹوٹا تو دیکھی جائے گی۔ اب تو خوب گذر رہی ہے۔"

"عباس۔ تم یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کی چیئر رہے ہو۔ اور ہو۔ آخر کیا بات ہے کہ وہ تمہیں دوسروں کی طرح خوفزدہ یا زچ نہیں کر سکے؟"

"بات بڑی سادہ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگ بزدل اور بے ایمان ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کی تنظیم، وسائل اور سرکاری سرپرستی کے بل پر شیر ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان اور جرأت ان کی سٹین گنیں، چاقو، نکل ڈسٹر، ڈنڈے، جیپیں اور روپیہ ہے۔ کافروں کے خلاف جہاد اور جنت کی بشارت کے خواب دکھا کر ان کو ہپنا ٹائز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر ان میں کومٹ منٹ، جدید شعور، عوام سے محبت اور حق پر ہونے کا اعتماد نہیں ہوتا۔ اگر ایک دفعہ ڈٹ کر انہیں چیلنج کریں تو دم دبا کر بھاگ لیتے ہیں۔ میں کبھی ان سے خوف زدہ نہیں ہوا۔ ساتھیوں کے ساتھ یا اکیلے ہیں جب کبھی سامنا ہوا ہے۔ انہیں للکارا ہے۔ جب تک میں یونیورسٹی میں رہا، انہیں آگے لگائے رکھا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ترقی پسند طلبہ کے پاس وسائل، تنظیم، منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں لگے

جماعتیوں کو ایک دفعہ جم کر چیلنج کیا گیا تو وہ دُم دبا کر بھاگ جائینگے

رہتے ہیں۔ پھر کوئی سیاسی جماعت ان کی اتحادی نہیں ہے۔ حکومت، یونیورسٹی انتظامیہ، سیاسی جماعتیں، سب ان کے مخالف ہیں اور اپنے فطری اتحادیوں، محنت کشوں، اور عوامی حلقوں سے رابطہ بڑھاتے نہیں۔ بہرحال، اب بھی اگر اپنا ہاتھ اٹھالے تو میں یہ دعوی کرتا ہوں کہ ایک ہفتے میں جمعیت کا جنازہ نکل جائے گا۔"

"جمعیت والوں کو یونیورسٹی میں طالبات سے ہمیشہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اب وہ الگ خواتین یونیورسٹی بنوا رہے ہیں۔ کہیں یہ طالبات سے انتقام تو نہیں لیا جا رہا؟"

"بالکل! یونیورسٹی کی طالبات تو جماعتیوں کی جان کی دشمن ہیں۔ بدترین حالات میں بھی خواتین کی نشستوں پر ترقی پسند امیدوار کامیاب ہو رہے ہیں۔ ابھی گذشتہ دنوں گرلز ہوسٹلوں میں لیفٹ کی لڑکیاں بھاری اکثریت سے جیتی ہیں یونین الیکشنوں میں اور اس سے پہلے جمعیت کے غنڈوں نے طالبات کو ہراساں کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ بدتمیزی کی، گالیاں دیں، دست درازی کی کوشش کی۔ گھروں پر جا کر بدمعاشی کا مظاہرہ کیا۔ مگر طالبات ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔ جب جناب بھٹو کو سزائے موت سنائے جانے کے خلاف مظاہروں میں یونیورسٹی کی طالبات نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تب اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ لیاقت بلوچ کا بھائی اور ملتان کا نامی گرامی بدمعاش سعادت بلوچ خاص طور پر لاہور بلایا گیا۔ اور اس نے عرفانہ بدمعاش اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مظاہرے کرنے والی طالبات کو ڈرایا دھمکایا، انہیں گھیرے میں لے لیا۔ حتیٰ کہ ہوائی فائرنگ تک کی۔ انہیں خواتین نے یونیورسٹی یونین کی تقریب میں مولانا مودودی کو بلانے کی کوشش بھی ناکام بنائی تھی۔ جنرل ضیاء کے ڈگری لینے آنے پر زبردست مظاہرہ کیا۔ دوسرے صوبوں کے مہمان طلبہ پر حملے کرنے والی بھی طالبات ہی تھیں۔ مگر علیحدہ یونیورسٹی بنوانے سے جماعت اسلامی والے خواتین کی سیاسی قوت کو بے کار نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی خواتین اپنے موقف اور عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے میدانِ عمل میں نکل آئی ہیں۔ اور اب انہیں گھروں میں نظر بند نہیں کیا جا سکتا۔"

"موجودہ سیاسی صورتحال کے بارے میں تم کیا سوچتے ہو؟"

"ہم ایک آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے ہیں، جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔ افغانستان اور ایران میں لاوا پھٹ چکا ہے اور اب پاکستان کی باری ہے۔ مگر حکمرانوں کی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ سقوطِ ڈھاکہ کے تجربہ کار جماعت اسلامی والے الشمس اور البدر کی طرز پر تنظیمیں بنا رہے ہیں، اسلحہ تقسیم کیا جا رہا ہے، خون خرابے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ جنرل یحییٰ کو مجاہد اعظم کہنے والے آج جنرل ضیاء کو مجاہد اعظم کہہ رہے ہیں۔ قومیتوں کے حقوق کو تلف کیا جا رہا ہے۔ اقلیتوں کو نئے پاکستان بنانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ ثقافت، فن اور اظہار کا گلا گھونٹا جا رہا ہے عورت کو زرخرید لونڈی کے رول تک محدود کیا جا رہا ہے۔ بچے کھچے پاکستان کو توڑنے کی تیاریاں ہیں۔ اگر حکومت ملک کو متحد رکھنا چاہتی ہے تو بلوچستان، سرحد اور سندھ سے آئے ہوئے مہمان طالب علم رہنماؤں پر پولیس کی حفاظت میں جمعیت کے غنڈوں سے حملہ نہ کرایا جاتا۔ یہ ایک سنگین اور خطرناک واقعہ تھا اور اس سے برسراقتدار لوگوں کے مذموم عزائم بے نقاب ہو جاتے ہیں۔"

"جناب بھٹو کے تم بھی پرستار رہے ہو اور مخالف بھی۔ اس وقت وہ جس آزمائش میں ہیں اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"عجیب بات ہے کہ کالونی ملز کے مزدوروں کے وحشیانہ قتل عام کے ذمہ دار، سرمایہ دار اور سرکاری افسر تو دندناتے پھر رہے ہیں۔ مگر ایک نواب کو قتل کرنے کا حکم دینے کے مبہم الزام کے بہانے پوری قوم کو "پھانسی" لگا دیا گیا ہے۔ بھٹو کا فیصلہ عوام پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر وہ واقعی ظالم اور آمر تھا تو عوام اسے آئندہ منتخب نہیں کریں گے۔ آپ الیکشن تو کروائیں، چاہے بھٹو کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اکھاڑے میں لے آئیں۔ وہ پھر بھی آپ کے ہیوی ویٹ چیمپئنوں کو ناک آؤٹ کر دے گا۔ اس ملک کو بچانے کا یہی واحد واستہ ہے۔ کہ فوراً انتخابات کرائے جائیں۔ سیاسی عمل جاری کیا جائے۔ تمام قومیتوں کو ان کے حقوق اور صوبوں کو مکمل خود مختاری دی جائے۔ طبقاتی اور قومی جبر کو ختم کیا جائے۔ اور فوج بیرکوں میں واپس جائے"۔

"تعلیمی نظام اور طلبہ کے مسائل کے بارے میں کیا تجاویز ہیں؟"

"ہمارا نظامِ تعلیم طبقاتی نظام کا حصہ ہے۔ امراء کے ادارے، ان کی تعلیم اور ہے، غریبوں کی اور۔ اعلیٰ تعلیم اس قدر مہنگی ہے کہ غریب وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ کتابیں اتنی مہنگی کہ مہینے بھر کے اخراجات کے برابر ایک کتاب۔ یہ سب فراڈ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ نظامِ تعلیم غیر طبقاتی ہو۔ تعلیم مفت ہو۔ رہائش کی سہولت بھی مفت ہو۔ تعلیم کے حصول کے لئے عمر کی حد ختم ہونی چاہیئے۔ تاکہ محنت کر کے سلسلہ تعلیم جاری رکھنے والے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔ چھوٹے شہروں میں میڈیکل اور انجینئرنگ کالج کھولے جائیں۔ نصاب میں قومی اور عوامی تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی جائیں۔ پسماندہ علاقوں میں تعلیم آسان کی جائے۔ بے روزگار تعلیمیافتہ افراد کو الاؤنس دیئے جائیں۔ کم از کم این ڈی وی پی بحال کی جائے، سائنسی نقطۂ نظر کو فوقیت دی جائے۔ اس وقت عالم یہ ہے کہ دنیا ایٹم بم بنا رہی ہے۔ چاند پر پہنچ رہی ہے اور ہمارے حکمران گنبد اور حجرے سے ہی باہر نہیں نکل رہے"۔

لسبیلہ

محمد یونس رسی

راشن ڈپو پر آٹا چینی اور گھی نہیں ملتا

صوبہ بلوچستان میں آئے دن حکومت کی جانب سے عوام کی ترقی اور فلاح و بہبود کے منصوبوں کا اعلان ہوتا رہتا ہے ان فلاحی منصوبوں پر اٹھنے والی رقم کروڑوں روپوں تک پہنچی ہوئی ہے لیکن تحصیل وندر ضلع لسبیلہ کے عوام فلاحی کاموں پر خرچ ہونے والی رقوم سے ہمیشہ محروم رہے ہیں اور وندر کے عوام نہ جانے اور کتنے عرصہ تک نظر انداز ہوتے رہیں گے اور آج کے عہد میں زندگی کے لیئے ضروری سہولتیں اور قابلِ بھروسہ ذرلیعہ معاش سے کتنے عرصہ تک محروم رہیں گے۔

کراچی سے ۶۵ میل دور تحصیل وندر کے عوام باقی دنیا سے الگ تھلگ پسماندہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ نہ وہاں سڑکیں ہیں نہ ٹرانسپورٹ کا معقول انتظام اور نہ ہی بجلی ہائی اسکول ڈاکخانہ ہے یہاں کے عوام کا گزر اوقات بارانی زمین، بھیڑ بکریاں اور مویشی پالنے پر منحصر ہے اگر سال میں معقول بارش ہو جائے تو یہاں لوگ اپنی خوراک کے لیے جوار، باجرہ، تل، سبزی اور ارنڈ کاشت کر لیتے ہیں ورنہ وہ بھیڑ بکریاں اور مویشی پال کر گزر اوقات کرتے ہیں تحصیل وندر کی زمین کافی زرخیز ہے اگر حکومت اس علاقہ کی ترقی کے لیئے بھرپور توجہ دے تو وہ حب ڈیم سے ایک نہر نکال کر اور ٹیوب ویل لگا کر اس وسیع علاقے کو مستقل زیر کاشت لا سکتی ہے اور یہاں کے کسانوں کو سرکاری زمینوں کا مالک بنا کر (جن پر اب مقامی وڈیروں کا قبضہ ہے) اچھے بیج کھاد اور زرعی آلات کے لیئے زرعی قرضے فراہم کرے تو اس علاقے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے اور یہ علاقہ وافر مقدار میں خوراک، سبزیاں اور پھل پیدا کر سکتا ہے اور عوام کو خوشحالی نصیب ہو سکتی ہے اس تحصیل میں مویشیوں کی پرورش کے بہترین مواقع ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ یہاں مویشیوں کی افزائش نسل اور ان کو لاحق بیماریوں کی روک تھام کے لیئے ایک جانوروں کا ہسپتال قائم کیا جائے لیکن ابھی تک تو یہاں خود انسانوں کے لیئے ہسپتال نہیں ہے سوائے ایک ڈسپنسری کے جس میں نہ دوائیں ہیں نہ ہی ڈاکٹر مریضوں کو بیماری کی صورت میں مجبوراً علاج معالجہ کیلئے کراچی آنا پڑتا ہے۔

تحصیل وندر میں آٹا چینی اور گھی کی اکثر قلت رہتی ہے وندر کے ڈپو ہولڈرز مقامی وڈیرے ہیں جو راشن کارڈ پر لوگوں کو آٹا چینی اور گھی مہیا نہیں کرتے بلکہ چور بازاری کر کے بھاری منافع کماتے ہیں اور بناسپتی گھی تو پندرہ روپے سیر تک بھی نہیں ملتا ان وڈیروں کے دھندوں میں مقامی انتظامیہ اور پولیس بھاری حصہ دار ہے اور وڈیروں کی لوٹ کھسوٹ کی پشت پناہ بھی ہے انتظامیہ کا محبوب مشغلہ عوام کو بے جا تنگ کرنا اور ان سے نذرانے اور رشوتیں وصول کرنا ہے

چند سالوں سے یہاں کے وڈیروں نے کسانوں کی موروثی زمینوں اور سرکاری زمینوں پر قبضہ کر کے کراچی کے سیٹھوں سے مل کر باغ لگائے ہیں ان باغوں میں کام کرنے والے مزدوروں سے ۱۴، ۱۴ گھنٹے روزانہ کام لیا جاتا ہے اور نہایت قلیل اجرتیں دی جاتی ہیں یہ مزدور ہر قسم کے حقوق سے محروم وڈیروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں لٹنے پر مجبور ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مزدوروں سے آٹھ گھنٹے روزانہ کام لیا جائے اور انہیں موجودہ مہنگائی کے پیش نظر معقول معاوضہ ادا کیا جائے اور لیبر قوانین کا ان پر اطلاق ہو تحصیل وندر کے عوام کا مطالبہ ہے کہ وندر میں بجلی پہنچائی جائے انسانوں اور جانوروں کے لیئے ہسپتال قائم کیئے جائیں ہائی سکول لڑکوں اور لڑکیوں کے لیئے کھولا جائے ڈاکخانہ قائم کیا جائے وندر کو کراچی کے ساتھ پختہ سڑک کے ذریعہ ملایا جائے راشن ڈپو کے ذریعے آٹا چینی اور گھی کی فراہمی کا بہتر بندوبست کیا جائے اور ڈپو ہولڈروں اور پولیس کی ملی بھگت اور عوام دشمن رویہ کا خاتمہ کیا جائے سرکاری زمین کسانوں میں بلا معاوضہ تقسیم کی جائیں زراعت کے لیئے پانی کی مستقل فراہمی کے لیئے حب ڈیم سے نہر کھودی جائے اور ٹیوب ویل لگائے جائیں کسانوں کو زرعی قرضے دیئے جائیں۔ اوتھل میں قائم ٹیکسٹائل ملز اور دوسری صنعتوں میں مقامی باشندوں کو ملازمت کے لیئے اولیت دی جائے مقامی وڈیروں اور سیٹھوں کی لوٹ اور جبر و تشدد سے وہاں کے عوام کو نجات دلائی جائے۔ جن سرکاری زمینوں پر وڈیروں کا قبضہ ہے ان زمینوں کی انکوائری کی جائے اور یہ زمین کسانوں میں مفت تقسیم کی جائے

سید نذیر گیلانی

اور اب سب "حق" ملیں گے.....

ہم غیر شعوری طور پر کشمیریوں کو اپنی میراث سے بے دخل کر رہے ہیں

ذوالفقار کراچی کے گذشتہ شمارے میں کشمیر سے متعلق ریڈیو سٹیشنوں اور پروگراموں کا جو ذکر ہوا وہ نامکمل ہی نہیں بلکہ حقائق کے ہمالیہ کا ایک معمولی سا ذرہ تھا۔ ہمالیائی حقائق کو بے نقاب کرنے میں ممکن ہے کہیں کہیں غیر جانبداری کی "ماسک" اتر گئی ہو۔ تب بھی اہلِ دانش کی رائے ہے کہ یہ تبصرہ بے لاگ ہی نہیں بلکہ گذشتہ ۴۱ سال میں پہلی مرتبہ ایک غیر سرکاری کشمیری کے قلم سے ایک غیر سرکاری رسالے کے قرطاس پر ابھرا۔ آج مظفرآباد کے سینے کے بوجھ ریڈیو مظفرآباد کا ذکر کرنا تھا مگر عوامی حلقوں نے اس قومی سکینڈل کو مزید کریدنے اور حکام کو پابندِ حقائق کرنے کا مشورہ دیا۔ یوں بھی ہماری ملاقات نامور صاحب فکر سلیم رفیقی، پروگرام پروڈیوسر سید نسیم الحق شمیم اور اکلوتے کشمیری جونیئر پروڈیوسر مگر سینئر اہلِ قلم طاؤس بانہالی سے ہوئی۔ استاد سلیم رفیقی خود بھی پروگرام پروڈیوسر رہ چکے ہیں مگر ایک سٹیج پر استاد کی فکر اور ریڈیو کی بے فکری کا مناظرہ ہوا تو ایسے مناظروں میں اہلِ دانش چپ چاپ گھر کو لوٹنا پسند کرتے ہیں۔ سلیم رفیقی کی دوسری صفت اور قدر جس سے مجھے پیار بھی ہے اور حسد بھی۔ وہ ان کی نوائے وقت راولپنڈی کی نوکری ہے۔

دراصل نوائے وقت راولپنڈی کے زیرِ سایہ میری ہمتِ سوختہ کے سر پر سینیئر سب ایڈیٹری کا تاج رکھا گیا تھا اور میں اس تاج کو چھ دن پہن کر مزید پہننے سے انکاری ہوا۔ یہ چھ دن میری ٹور کے لمحات تھے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ ٹور پسند نہ آئی اور بیماری کا بہانہ بنا کر گھر اپنی بے روزگاری کی آبیاری کے لئے بیٹھ گیا۔ ممکن ہے قارئین میری بے روزگاری سے کوئی منفی تاثر لیں۔ اس لئے وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ذات شریف نوکری صرف جائز حد تک کرنے کی عادی ہے اور چاکری کے لئے اپنا ضمیر گھاس نہیں کھاتا۔ اب میری عدم موجودگی سے میری عدم دلچسپی ظاہر ہوئی اور جناب سلیم رفیقی نے میری غیر حاضری میں اسلامی جھنڈا لہرایا اور وہ ٹھہرے نوائے وقت کے رفیق۔ لہٰذا میرا حسد اور میرا پیار اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ جہاں سید نسیم الحق شمیم کا تعلق ہے ان کے سر پر بڑھاپا اُگ آیا ہے۔ ممکن ہے دل جوان ہو مگر ان کی فکر جواں اور مانندِ طوفاں نظر آئی۔ فرماتے ہیں۔ دیکھو میں اس سٹیشن پر اکیلا "حق" تھا لیکن میں یہاں اور چار "حق" لایا جب کہ پانچواں "حق" صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق بھی آ ہی گئے۔ اب سب "حق" ملیں گے۔ "حق" کو کر کر لمبے ہاتھ۔ جہاں تک اکلوتے کشمیری طاؤس بانہالی کا تعلق ہے وہ کچھ کچھ خاموش تھا۔ اس لئے کہ گذشتہ شمارے میں اس کا نام گرامی زیرِ بحث آچکا تھا۔ البتہ بے چارے نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا کہ میں نے اسلام کی اچھائیاں غیر مسلموں کی کتابوں میں پڑھیں۔ اور ہر غیر مسلم دینِ اسلام کا معترف ہے مگر ایک مسلمان ہی ایسا ہے جسے اپنے دین میں خرابیاں زیادہ اور اچھائیاں کم نظر آئیں۔ البتہ مجھے یہ محسوس کر کے بہت خوشی ہوئی کہ میرے تبصرے سے کسی غیر سرکاری کشمیری اور ان نیم سرکاری کشمیریوں کو بھی اختلاف نہ تھا۔ اس محفل میں مجھے احساس ہوا کہ ابھی اردو پروگرام اور گوجری پروگراموں کا بھی ذکر اتنا ہی اہم ہے جتنا کشمیری پروگراموں کا۔

تو سب سے پہلے میں عوام کی طرف سے ایک ناقابلِ تردید مطالبہ قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ اس حلقے کا خیال ہے کہ ایک انسپکشن ٹیم مقرر کی جائے اور اس جائزہ ٹیم میں ریڈیو حکام، کشمیری اور پاکستانی دانشور، عوام، اور اسی طرح ہر مکتب فکر کے نمائندے ہوں اور ان کے ذمے ریڈیو تراڑکھل آزاد کشمیر، ریڈیو پاکستان اور ریڈیو مظفرآباد آزاد کشمیر کے ہر پروگرام کا تجزیہ رکھا جائے۔ تاکہ یہ طے کیا جائے کہ ان نشریاتی اداروں کی کارکردگی، اصول آزادی اصول ادب و فکر کے مطابق ہے کہ نہیں۔ ان حلقوں کا خیال ہے کہ پاکستان کے باقی ریڈیو سٹیشنوں کے پروگراموں کا یہ پروگرام ایک چربہ ہوتے ہیں اور جب تک ابتدائی اناؤنسمنٹ نہ سنی جائے اور اختتامی اعلان تک انتظار نہ کیا جائے کوئی بھی شخص ان پروگراموں کو کشمیری سٹیشنوں کے پروگرام نہیں کہہ سکتا۔ پھر دوسرا بڑا الزام جو ان پروگراموں کے پروڈیوسروں اور اعلیٰ حکام پر عوامی حلقوں سے عائد کیا جا رہا ہے جو بظاہر ایک حقیقت ہے کہ پروگرام کشمیر کے لئے یہاں کی اکثریت کے لئے نہیں بلکہ شخصیات کے لئے طے کئے جاتے ہیں۔ اس طرح ان پروگراموں سے دوست نوازی، سیاست بازی اور تاریخی خیانت ٹپکتی ہے

تیسرا بڑا الزام جس سے ہماری گردن اگر یہ فولادی نہ ہو، اور شرم و حیا کی ایک رگ اس میں موجود ہو، جھک جانی چاہئے۔ اس الزام کے مطابق یہ پروگرام اس خط کی قیمت کے بھی نہیں ہوتے جو مقبوضہ کشمیر سے لکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مقبوضہ کشمیر سے لوگ ہر بار اڑھائی روپے کا خط فی شکایت لکھنا شروع کریں تو اس مہنگائی میں ایک ظلم ہے۔ ظاہر ہے ایسے لوگ جن کا وادیٔ کشمیر سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو، وہی پڑھیں گے جو کا غذ پر کسی نے لکھا ہو۔ بعض اوقات لکھوں میں اور پڑھے خدا والی بات بن جاتی ہے۔ اور اکثر تاریخی حقائق کو مسخ ہونا پڑتا ہے، زبان گالی اور دشنام میں رنگی جاتی ہے۔

میری تحقیق کے دوران عوامی حلقوں نے ایک ایسی دھاندلی کا ذکر کیا جو حکام کو پابندِ حقائق کرنے کے لئے کافی ہی نہیں بلکہ انہیں گریبان میں جھانکنے اور سچ کا زخم کھانے پر مجبور کرے گی۔ اس پروگرام سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہم لوگ غیر شعوری طور پر کشمیریوں کو اپنی میراث سے بے دخل کر رہے ہیں۔ اور اس پروگرام کو سن کر مقبوضہ کشمیر کا مسلمان کتنی بار استغفار پڑھتا ہوگا اس کی بھی

حد نہیں بھارتی حکام اور سیاستدان ہماری اس نا اہلی پر کسی قدر خوش ہوتے ہوں گے۔ اس کا اندازہ نہ ہی پروگرام پروڈیوسر کرسکتا ہے اور نہ ہی سرکاری سیاستدان۔ یہ بچوں کا پروگرام شاہین ہے۔ اس پروگرام سے ہمارے بارے میں جو تاثر ابھرتا ہے اس کا ان الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ ریڈیو تراڑکھل کا اسٹیشن کشمیری اسٹیشن ہے اور اس میں شرکت کرنے والی باجی آرٹس کونسل کی کوئی ملازم ہے۔ اور وہ بچوں کو بڑے ٹھاٹھ سے کہتی ہے کہ میں اسلام آباد سے آئی ہوں۔ اسی طرح جب بچوں سے تعارف ہوتا ہے۔ تو جواب اس طرح باجی کی گود میں گرتے ہیں۔ میں مری روڈ سے آیا ہوں، میں اسلام آباد سے آیا ہوں، میں سیٹلائٹ ٹاؤن سے آیا ہوں، میں چٹیاں ہٹیاں سے آیا ہوں وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ مقبوضہ کشمیر میں ہمارا سننے والا بار بار سوچنے پر مجبور ہوتا ہوگا کہ تراڑکھل کے سٹیشن کے لئے اسلام آباد پاکستان اور راولپنڈی سے باجی اور بچے ہی آخر شرکت کے لئے کیوں بلائے جاتے ہیں۔ کیا تراڑکھل کوئی ویران علاقہ ہے یا کہ اس کے گرد و نواح میں موجود بے شمار باجیوں اور ننھے منے شاہینوں کو این۔ او۔ سی جاری نہیں ہوا ہے پھر اسلام آباد، مری روڈ، سیٹلائٹ ٹاؤن، چٹیاں ہٹیاں جیسے جواب اس پروگرام سے جغرافیائی سچائی بھی نچوڑ لیتے ہیں اور سننے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ سارا ایک ڈھونگ ہے اور ایک ایسا پروگرام جس کی باجی بھی نقلی اور جس کے شاہین بھی نقلی۔ چونکہ پروگرام پروڈیوسر کا کشمیر سے فطری تعلق نہیں اور اگر ہو تو شاید اس کی قیمت لگ چکی ہو، اس لئے پروگرام شاہین کی ہر سچائی سننے والے کے لئے سچ کے نام پر ایک جھوٹ ثابت ہو رہا ہوگا۔ یہاں ہمارا یہی مشورہ ہے کہ ایسے گدھوں کی پیٹھ پر نمک نہ لادیں جو بیچ ندی کے لیٹ جائیں اور بوریاں خالی ہو جائیں۔ پھر اگر آپ نے ایسے گدھوں کو سزا کی نیت سے روئی لادنے کی چال چلی بھی، پھر روئی پانی چوس لے گی اور گدھے اور مال دونوں بہہ جائیں گے۔ لہٰذا نہ نمک لادیں اور نہ روئی۔ بلکہ گدھوں کو سچائی کا بوجھ سہنے کی عادت سکھائیں۔ ہمارے پروگراموں کے مقابلے میں سری نگر اور جموں کے ریڈیو سٹیشن ہیں لیکن اگر ہم ان کے معیار کا کسی درجہ سے مقابلہ نہ کرسکے ہمیں اپنے ممکنہ معیار کو معیار سمجھنا بھی زیب نہیں دیتا۔ یہاں ہماری مراد نقلی باجی اور نقلی شاہینوں کی چھٹی نہیں البتہ جغرافیائی احساس کی موت پر ہمارا نوحہ درست ہے۔

جہاں تک پروگرام میرے وطن کا تعلق ہے اس کی دو اہم اکائیاں تھیں۔ اللہ لوگ جموں کے تھے اور میر صاحب وادئ کشمیر کے۔ یہ دونوں اکائیاں تصور کا ایک کشمیر بناتی تھیں۔ دونوں ہمیشہ پروگرام میں جذباتی اور روحانی طور پر شریک اور انوالو رہتے تھے۔ اللہ لوگ اللہ کو پیارے ہوئے جب کہ میر صاحب مارشل لا کی زبردست مہم کے تھکے ہارے شکار بنے۔ اب یہ پروگرام ان دونوں اکائیوں سے محروم ہوگیا۔ اللہ لوگ کا کردار عقل دین صاحب نے بڑی محنت سے ادا کیا تھا۔ مگر اب اس پروگرام کی بنیادیں ہی ہل کر رہ گئی ہیں۔ اب اس پروگرام میں ایک خاتون آواز بھی شریک ہے۔ ممکن ہے یہ مقبوضہ کشمیر کے پروگرام "وادی کی آواز" کی نقل ہو۔ اس پروگرام کی نکی کے ساتھ منشی جی جو مذاق کرتے ہیں ایسے انداز سے ہماری چار دیواری ہی ہل کر رہ جائے گی۔ اب اس پروگرام کو بدلا جا رہا ہے۔ ہمیں میر صاحب کے چلے جانے کی وکالت مقصود نہیں، البتہ پروگرام کی موت سے گہرا تعلق ہے اس پروگرام میں اب ایک بچہ پروگرام شامل کیا گیا یا یوں کہیے کہ ہر پندرہ روز کے بعد یہ پروگرام ایک بچے کو جنم دیا کرے گا۔ اس نئے پروگرام کا نام "منگو چاچا" ہے۔ آزادی اور کشمیر کا منگو چاچا کے ساتھ کیا واسطہ۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تبدیلی کسی بھی طرح مثبت نتائج حاصل نہیں کرسکتی۔ مقبوضہ کشمیر کا عام اور صاحب عقل سننے والا ریڈیو تراڑکھل، ریڈیو پاکستان، ریڈیو مظفر آباد کی سوئی اس لئے نہیں گھماتا کہ اسے بار بار ہماری افتاد، اور نقل کا احساس ہو۔ اسے ہمارے منگو چاچا سے خاک غرض ہے۔ وہ اپنے اللہ لوگ کی آواز میں جموں کی عوامی تحریک اور عالم جہاد کی تصویر دیکھتا تھا۔ اسی طرح میر صاحب کی آواز اور وادی کے حوالوں میں اسے اپنا آپ، اپنی جدائی، اپنی تحریک، آزادی اور نہ جانے کیا کیا مناظر نظر آتے تھے۔ جن میں جدوجہد کا احساس ہونا لازمی ہے لیکن اب یہ سٹیشن رفتہ رفتہ اصلیت اور افادیت کو الوداع کہہ رہے ہیں۔ ∞

مکران

مند ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر اور سائنس ٹیچر کا تقرر کیا جائے

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (عوامی) مند مکران کے صدر اسلم بلوچ نائب صدر نصیر بلوچ نے بتایا کہ ہائی اسکول مند مکران (بلوچستان) کی حالت انتہائی خراب ہے۔ مڈل اسکول مند کو ۱۹۷۶ء میں ہائی کا درجہ دیا گیا ہے مگر یہ ہائی اسکول اب تک ہر قسم کی سہولتوں سے محروم ہے۔ اسکول کے لئے تین کمروں پر مشتمل بلڈنگ جو حال ہی میں مکمل ہوئی ہے ناکافی ہے اور پھر تعمیر اس قدر ناقص ہے، کہ کمرے کی دیواریں گرنے والی ہیں۔ پرانے کمروں کی دیواریں تو مدت ہوئی گر گئیں، مگر اب تک ان کی مرمت نہیں ہوتی ہے۔ ایک بوسیدہ برآمدہ ہے جو خطرے سے باہر ہے طلبا کے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے جس سے طلبا پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ٹیچروں کی رہائش گاہ بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے پورے ہائی اسکول میں بہت کم ٹیچر ہیں۔ اسکول سائنس ٹیچر اور ہیڈ ماسٹر سے محروم ہے حالانکہ ہیڈ ماسٹر (مند) ہائی اسکول کے نام پر ملتان میں بیٹھ کر تنخواہ لے رہے ہیں جس کی وجہ سے اسکول کے تعلیمی ماحول میں خلل پڑ رہا ہے اور صحیح معنوں میں پڑھائی بھی نہیں ہو رہی ہے۔ اسکول میں اسپورٹس کے لئے سامان اور فرنیچر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسکول کو اس حالت زار پر چھوڑنے کا مقصد طلبا کو تعلیمی سرگرمیوں سے باز رکھنا ہے اور سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت انہیں پسماندہ رکھا جا رہا ہے۔ مند ہائی اسکول سے دیگر علاقوں کے پرائمری اسکول اچھے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈی ای او کو کئی بار لکھا جا چکا ہے مگر انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی ہے انہوں نے مسائل کو حل کرنے کی بجائے اضافہ کر دیا ہے ہم ایک بار پھر ڈائریکٹر ایجوکیشن کوئٹہ اور سکریٹری تعلیمات کوئٹہ بلوچستان سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ مند ہائی اسکول (مکران ڈویژن) کے تمام مسائل کو مد نظر رکھ کر ان کے حل کے لئے فوری توجہ دیں۔ اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ اور مسائل کو جوں کے توں رہنے دیا گیا، تو نہ صرف مند کے طلبا بلکہ پورے بلوچستان کے طلبا سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے جس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔ ہمارے مطالبات درج ذیل ہیں، مند ہائی اسکول کے لئے ایک بلڈنگ دس کمروں پر مشتمل بنائی جائے، ہیڈ ماسٹر سمیت سائنس ٹیچر اور دیگر ٹیچروں کی قلت کو فوراً دور کیا جائے۔ ●

منڈی بہاؤالدین

—— میاں محمد شریف زاہد

ہمارے دورِ اقتدار میں سماجی برائیوں میں اضافہ ہوا ہے

—— مارشل لاء کے وزیر کا اعتراف

ملک قرضوں پر زندہ ہے ہر سال سات ارب روپے سود ادا کرنا پڑتا ہے

خواجہ محمد صفدر مارشل لا کابینہ کے وزیر خوراک و زراعت کی حیثیت سے پہلی بار گذشتہ دنوں منڈی بہاؤالدین وارد ہوئے۔ پروگرام کے مطابق ساڑھے گیارہ بجے میونسپل ہال میں ایک پبلک میٹنگ میں شرکت کی۔ ڈپٹی کمشنر گجرات خان عظمت اللہ نے سٹیج سکرٹری کا کام سرانجام دیا۔ خواجہ صفدر نے سب سے پہلے عوامی شکایات اور مسائل سننے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ سب سے پہلے انجمن کاشتکاراں پنجاب کے نائب صدر چوہدری محمد اقبال جاٹا ایڈووکیٹ مائیک پر آئے۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت سب سے زیادہ پریشانی گنے کے کاشت کاروں کو ہے کہ گنے کی قیمت بہت کم ہے جب کہ باقی تمام فصلوں کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ گنے کی فصل واحد ایسی فصل ہے جس پر کاشت کار کو کافی محنت کرنا پڑتی ہے۔ امسال بارشوں اور بیماریوں کی بنا پر گنے کی فصل بالکل تباہ ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ کرشنگ سیزن دو یا تین ماہ سے زائد نہیں ہوگا اور ظاہر ہے کہ چینی کی پیداوار بھی متاثر ہوگی۔ اگر حکومت نے فی الفور گنے کی فصل کی قیمت میں اضافہ نہ کیا تو آئندہ سال گنے کی فصل کاشت کار بالکل نہیں بیجیں گے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آئندہ سیزن ۸۰-۱۹۷۹ء میں شوگر ملیں نہیں چلیں گی۔ جس سے نہ صرف چینی کی پیداوار نہیں ہوگی بلکہ ہزاروں کی تعداد میں محنت کش بھی بے روزگار ہو جائیں گے اور حکومت کو ایک نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مسٹر اقبال جاٹا نے کہا کہ علاقہ میں کافی ٹیوب ویل خراب ہیں جب متعلقہ حکام کی توجہ اس جانب مبذول کرائی جاتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ گرانٹ ابھی تک حکومت کی جانب سے نہیں آئی، جونہی آجائے گی ٹیوب ویل درست کر دیئے جائیں گے۔ ایک عرصہ سے ۳۶ ٹیوب ویلوں کو درست شدہ قرار دیا جا رہا ہے لیکن ان میں ابھی تک کوئی اضافہ نہیں ہو رہا۔ حافظ غلام محمد آف دھنی کلاں، بریگیڈیئر خورشید احمد آف ملکوال، چوہدری سمیع محمد سابق ایم ایل اے، میاں محمد انور، منیر احمد، ایم رحمت اللہ ڈاکٹر احمد سعید سبزواری، چوہدری محمد روشن، چوہدری ہدایت اللہ سرفراز پراچہ، میاں خان اور نعیم اللہ قریشی نے بھی مسائل پیش کیے۔ ان لوگوں نے چینی کو کھلی مارکیٹ میں لانے کا بھی مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو دیہاتوں میں چینی اور شہروں میں آٹے کے کوٹے میں اضافہ کیا جائے۔ انہوں نے ڈپوؤں پر تقسیم ہونے والے آٹے کو ناقص اور انسانی صحت کے لئے مضر قرار دیا۔ سیمنٹ کی تقسیم کو بہتر بنانے اور پورا کوٹہ دینے کا بھی مطالبہ کیا۔ منڈی بہاؤالدین شہر کو ضلع کا درجہ دینے، انٹر گرلز کالج کو ڈگری کا درجہ دینے اور سوئی گیس فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔

خواجہ صفدر نے شکایات و مسائل سننے کے بعد اپنی تقریر میں بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ ان مسائل کو اوپر پیش کر دوں تاکہ ان کا حل ہو سکے، اپنے محکمے سے متعلقہ خاص مسئلے گنے کی قیمت میں اضافہ کرنے کے متعلق انہوں نے کہا کہ میں اکیلا کچھ بھی نہیں کر سکتا میری کوشش ہوگی کہ گنے کی قیمت میں اضافہ ہو تاہم حتمی فیصلہ حکومت کرے گی۔ انہوں نے کاشتکاروں کو ٹالنے کے لئے اتنا ضرور کہا کہ حکومت گنے کی قیمت بڑھانے پر غور کر رہی ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب خواجہ صفدر وزیر نہیں تھے تو ان کے لگاتار روزنامہ نوائے وقت میں گنے کے ریٹوں میں اضافہ کرنے کے سلسلے میں مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ بھٹو دور میں تو انہوں نے منڈی بہاؤالدین میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ چینی کا ریٹ زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ پچاس پیسے ہونا چاہیئے اور ہم برسرِ اقتدار آگئے تو ۱۹۷۰ء کی قیمتیں بحال کر دیں گے لیکن اب عوام نے انہیں رعایت دے دی ہے کہ آپ ۱۹۷۷ء کی قیمتیں بحال کر دیں۔

اس کے بعد خواجہ صفدر نے قومی اتحاد تحصیل پھالیہ کے صدر حکیم عبدالحنان کی رہائش گاہ پر کارکنوں سے خطاب کیا انہوں نے کہا کہ ملک کی معاشی حالت تباہ ہے۔ اس وقت ملک قرضوں پر زندہ ہے اور ہر سال ہم سات ارب روپے صرف سود ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جس حکومت میں ہم شریک ہوتے ہیں وہ ڈیڑھ سال سے قائم ہے اور ہمیں حکومت میں شامل ہوئے چھ ماہ بیت گئے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم ان سماجی برائیوں کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ ان میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان سیاسی طور پر انتہائی مشکل حالات سے دوچار ہے۔ بیرونی دنیا میں حالات ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ ہمارے چاروں طرف کوئی بھی ہمارا دوست نہیں ہے۔ ایک پڑوسی ملک نے ہمیں دل سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ ان کا اشارہ بھارت کی طرف تھا لیکن جوشِ خطابت میں وہ یہ بھول گئے کہ جس پڑوسی ملک نے بقول ان کے پاکستان کو صدقِ دل سے تسلیم نہیں کیا ہے اُسی ملک سے وہ گندم کا بیج بھیک کی صورت میں لائے۔

پاکستان پیپلز پارٹی منڈی بہاؤالدین کی ورکنگ کمیٹی کا ایک خصوصی اجلاس چوہدری ظفر اللہ تارڑ جنرل سکرٹری پیپلز لائرز ایسوسی ایشن کی رہائش گاہ پر ہوا۔ اجلاس سے سابق ایم این اے چوہدری غلام رسول تارڑ۔ سابق ایم پی اے ڈاکٹر سید جواد حسین رضوی، جنرل سکرٹری سٹی دیوان عبدالجبار، ملک محمد حنیف، علی محمد تیوڑ۔ ولی محمد، علی بہادر ڈار، چوہدری ظفر اللہ تارڑ ایڈووکیٹ، چوہدری نذیر احمد آف مونگ، لالہ نشان علی، محمد لوٹا کھوکھر، محمد صدیق اور سید عاشق حسین شاہ نے اجلاس سے خطاب کیا۔ اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ دنیا بھر کے تین سو سے زائد سیاستدانوں اور سربراہانِ مملکت نے جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت کے خلاف اپیلیں کی ہیں لہٰذا حکومت کو چاہیئے کہ وہ نہ صرف سزائے موت کی سزا کو ختم کر دے بلکہ انہیں رہا بھی کر دے۔ ملک میں جلد از جلد انتخابات کرائے۔ بیگم بھٹو، بے نظیر بھٹو سمیت نظربند اور گرفتار شدہ طلبا، مزدور، کسان، صحافی اور سیاسی کارکنوں و رہنماؤں کو فی الفور رہا کیا جائے۔ ●

پاور لومز کے لاکھوں مزدور بے روزگار کر دیئے گئے

ٹنڈو آدم • عبدالرزاق سومرو

عوام کی ٹھکرائی ہوئی جماعتوں کی نام نہاد مارچ تحریک کے بعد سامراج کے منشا کے اشارے پر منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور وعدہ کیا گیا تھا کہ اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کر کے فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے گی لیکن عوام نے دیکھا فیئر پلے آپریشن اور نظریہ ضرورت کے تحت اللہ کے نام پر کئے گئے وعدے کی دھجیاں اڑائی گئیں، پی این اے نے احتساب کے نام پر تیا ناٹک رچایا اور صرف پیپلز پارٹی کے قائدین اور کارکنوں کو انتقام کا نشانہ بنایا اور لنگڑی لولی پی این اے کو جس میں نہ جمعیت علمائے پاکستان، نہ تحریک استقلال اور نہ این ڈی پی شامل تھیں حکومت میں شامل کیا گیا۔ یہ وہ جماعتیں ہیں، جن میں مسلم لیگ کے سوا تمام جماعتیں پاکستان اور قائد اعظم کی مخالف اور کانگریس کی حمایتی تھیں۔ جماعت اسلامی جس نے پاکستان کو ناپاکستان اور قائد اعظم کو "کافر اعظم" کہا، خاکسار جس نے قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ کیا تھا، پھر اسلامی نظام کا نعرہ بلند کیا گیا لیکن عوام نے دیکھا کہ جمہوریت اور بنیادی حقوق جو اسلام کے بنیادی ستون ہیں کے لئے آواز اٹھانے پر خواتین، بچوں، طالب علموں، کسانوں، مزدوروں اور صحافیوں پر تشدد کیا گیا۔ کوڑے لگائے گئے اور جیلوں میں بند کر دیا گیا اور آج سترہ ماہ گزر جانے کے بعد بھی اسلامی نظام کا معمولی نشان تک نظر نہیں آتا۔ ہر طرف وحشت، سناٹا، نوکر شاہی کا راج ہے۔ عوام مہنگائی، رشوت، بدامنی کا شکار ہیں۔ موجودہ حکومت کے دور میں عام آدمی کے لئے خوشحالی اور ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے، جب کہ سرمایہ داروں کو طاقتور بنانے کے لئے قومی تحویل میں لی گئی صنعتوں کو واپس کرنا شروع کر دیا۔ ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر پابندی عائد کر کے مالکان کو چھانٹی کی کھلی چھٹی دے دی جس سے ہزاروں مزدور بے روزگار ہو گئے، خود حکومت نے سرکاری ملازموں کی بڑے پیمانے پر چھانٹی کی۔

دوسری طرف عوامی حکومت کی جانب سے نکالے ہوئے نااہل ملازموں کو بحال کرنا شروع کر دیا۔ آزادیٔ صحافت کے نام پر حق گو اخبارات و رسائل کا گلا دبایا گیا اور محنت کش صحافیوں کو نکالا گیا، بینکوں کے ملازمین کے ساتھ وزیر محنت نے جو وعدے کئے ان پر آج تک عمل نہیں کیا گیا، مہنگائی جس کے لئے پی این اے نے دعویٰ کیا تھا کہ ۱۹۷۰ء کی قیمتیں بحال کی جائیں گی، آٹا، سیمنٹ، تیل، گندم، سگریٹ وغیرہ کی سرکاری طور پر قیمتیں بڑھا دی گئیں اور بیوپاریوں کے ریٹ بڑھانے پر خاموشی نے یہ حالت کر دی کہ سبزی اور دالیں تک عوام کی پہنچ سے باہر ہو گئیں اور پھر ڈھٹائی سے مہنگائی کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے۔ معاشی طور پر بدحالی نے ملک کو تباہی کے کنارے پر کھڑا کر دیا ہے۔ افراطِ زر حکومت نے اس قدر پھیلا رکھی ہے جس کا ازالہ ناممکن ہے۔

ٹیکسٹائل صنعت جو ہماری سب سے بڑی صنعت ہے جس کے ذریعے زرِ مبادلہ حاصل ہوتا ہے اور ملکی ضرورت پوری ہوتی تھی۔ مالکان کے منافقانہ رویہ کی وجہ سے تباہی کے کنارے پر ہے موجودہ حکومت نے کروڑوں روپیہ قرض دیتے ہیں لیکن پیداوار کی یہ حالت ہے کہ پاور لومز کی چھوٹی صنعت نہ چلنے کے برابر ہے۔ پاور لومز فیکٹری سوت کے مسئلہ کی وجہ سے بڑی تعداد میں بند ہیں اور اس سے وابستہ محنت کش اور مالکان لاکھوں کی تعداد میں کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہوتے ہیں جب کہ کوئی اس طرف توجہ دینے کو تیار نہیں اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہے کہ موجودہ حکومت کی جانب سے تمام مراعات کے باوجود نئی صنعت کا لگانا تو کجا پرانی مشینری کی مرمت نہیں کی جاتی۔

اسلام کا نام حکومت کی زبان پر ہے لیکن حکومت اپنی انتظامیہ، ذرائع ابلاغِ عام ٹی وی، ریڈیو، اخبارات

مارشل لاء انتظامیہ

افغانستان کے بارے میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرے

ٹنڈو جام

اسیر طلبا کو رہا کیا جائے

پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن سندھ زرعی یونیورسٹی ٹنڈو جام کے صدر محمد اکبر خان نے کہا ہے کہ گذشتہ تین ماہ سے فیڈریشن کے مرکزی صدر اورنگ زیب کاسی زرعی یونیورسٹی ٹنڈو جام یونین کے جوائنٹ سیکریٹری اور پختون ایس۔ ایف کے سرگرم کارکن وزیر احمد خان سمیت کئی کارکن جیل میں بند ہیں۔ اور اب ان کو ۶ ماہ سے ایک سال تک کی سزائیں دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان طلبا پر بھاری جرمانے بھی لگائے گئے ہیں جو کہ سخت ناانصافی ہے۔ ان طلبا کو افغان حکومت اور انقلاب افغانستان کی حمایت میں نعرے لگانے پر گرفتار کیا گیا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن ایک ترقی پسند اور قوم پرست تنظیم ہے اور وہ ہمیشہ سے مظلوم قوموں کی جدوجہد کی حمایت کرتی ہے۔ افغانستان سے ہمارے قریبی رشتے ہیں۔ وہ ہمارا ہمسایہ مسلم ملک ہی نہیں بلکہ اس سے ہمارے تہذیبی ثقافتی رشتے بھی ہیں اور پاکستان سے اس کو راہداری کی سہولتیں بھی حاصل ہیں اور پاکستان اس کو برملا طور پر اپنا قریبی دوست ظاہر کر رہا ہے۔ موجودہ صدر جنرل ضیاء الحق بھی افغانستان کا دورہ کر چکے ہیں اور انہوں نے جمہوریہ افغانستان کے صدر نور محمد ترہ کئی کو پاکستان آنے کی دعوت بھی دی، جو انہوں نے قبول کر لی ہے۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ جن نعروں کو بنیاد بنا کر پختون ایس۔ ایف کے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا ہے وہ نعرے اب ملک کے گلی اور کوچوں میں بلند ہو رہے ہیں اور بعض دیگر ترقی پسند طلبا تنظیموں نے باقاعدہ جلسے اور جلوسوں میں افغانستان کے مظلوم عوام کی حمایت میں نعرے لگائے۔ جو کہ ایک مستحسن قدم ہے۔ اس کے علاوہ ایران کی جدوجہد کی حمایت میں جلوس نکلتے ہیں لیکن کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آتی لیکن پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے جو ایک تشویشناک بات ہے، حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ جلد از جلد اپنی پالیسی واضح کرے، کہ آیا افغانستان سے اس کے کس نوعیت کے تعلقات ہیں۔ وہ اس کو اسلامی ملک مانتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات ہیں کہ ایک دوست ہمسایہ اور برادر مسلم ملک کے غریب عوام کی حمایت میں نعرے لگانا جرم ہے؟ بیان کے آخر میں کہا گیا ہے کہ طلبا کی گرفتاریوں سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ حکومت کو چاہیئے کہ گرفتار شدہ طلبا کو فوراً رہا کرے اور طلبا کے مسائل کی طرف توجہ دے۔ •

کے ذریعہ اندرونِ ملک و بیرونی دنیا کروڑوں روپے جس میں زرِمبادلہ بھی شامل ہے خرچ کر کے جناب بھٹو کی کردار کشی میں مصروف ہے جب کہ مسٹر بھٹو پھانسی کی کوٹھری میں قید ہیں۔ پھر بدنام زمانہ لوگوں کو ٹی وی اور ریڈیو پر لاکر "ظلم کی داستان" سیریز چلائی گئی ہے۔ حکومت کے افراد اس پر نمک مرچ لگا کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ حکومت اس قدر بوکھلا گئی ہے کہ پیپلز کا لفظ جس کے معنیٰ عوام ہے دیکھنا نہیں چاہتی جب کہ حکومت کے تمام سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں اس لفظ کو ختم کرنے کے لئے کروڑوں روپیہ کی اسٹیشنری کو ردّی میں ڈال دیا گیا۔ حکومت روزانہ اسلامی نظام کے لانے کا پرچار کر رہی ہے تو دوسری طرف حکومت کے ٹی وی پر پولیس کے اعلیٰ افسران کہتے ہیں کہ جرم کو ختم کرنے کے لئے جاپان کا نظام پاکستان کے لئے بہتر ہے اور ساتھ ساتھ چین کے نظام کے جرم سے پاک ہونے کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے۔

اسلام تو امن، سلامتی، خوشحالی، مساوات اور محبت کا نام ہے۔ کیا جو کچھ پاکستان میں ہو رہا ہے وہ اسلام ہے؟ یہ جماعت اسلامی کا اسلام ہے جس کو اس ملک کے عوام نے کبھی قبول نہیں کیا اور نہ کریں گے۔

پاکستان جو اسلامی دنیا کا قلعہ تھا اس کے دوستوں میں اضافہ ہو رہا تھا آج اکیلا رہ گیا ہے۔ ہندوستان کا وزیر خارجہ دھمکیاں دیتا ہے۔ افغانستان اور روس سے ہم خطرہ محسوس کرتے ہیں، چین کی جانب سے کسی قسم کا اظہار نہیں کیا جاتا اور امریکہ جس پر ہماری موجودہ حکومت تکیہ کئے ہوئے ہے ری پروسیسنگ پلانٹ سے محروم کر چکا ہے اور اب ہماری جائز ضرورت کا اسلحہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔

حکومت اور پی این اے کا دعویٰ ہے کہ پیپلز پارٹی ختم ہے عوام ان کے ساتھ ہیں لیکن انتخابات کرانے میں رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں۔ صدرِ پاکستان ۱۹۷۹ء کو انتخابات کا سال قرار دیتے ہیں۔ غیر جانبداری کا اعلان کرتے ہیں۔ صدرِ پاکستان ہوتے کے باوجود دائیں بازو سے ربط رکھتے ہوئے مثبت نتائج کی شرط عائد کرتے ہیں جس کا مطلب موجودہ پی این اے کی کامیابی ہی ہو سکتی ہے دنیا میں مثال نہیں ملے گی۔ پاکستانی عوام جس نے پاکستان بنایا جس نے نوکر شاہی ایوب خان اور یحییٰ خان کے مارشل لا کا مقابلہ کیا۔ وہ باشعور ہیں اور اب نام نہاد پی این اے کی تحریک کو سمجھ چکے ہیں۔ وہ کسی حالت میں پی این اے کو ملک کی باگ ڈور ووٹ کے ذریعے نہیں دیں گے جس کا مطلب انتخابات نہ ہونے دیئے جائیں گے اور یہ پاکستان کے لئے سب سے بڑا المناک سانحہ ہوگا۔ *

خواتین یونیورسٹیاں کھولنے کی بجائے موجودہ یونیورسٹیوں کا مالی خسارہ پورا کیا جائے

دیپالپور * محمد امین حمزہ

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن (پاکستان) ساہیوال کے ضلعی صدر احتشام اکبر نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ظلم وجبر کا بڑھتا ہوا سیلاب یہ نشاندہی کر رہا ہے کہ موجودہ ظالم طبقات کتنے کمزور ہو چکے ہیں۔ اب اس نظام پر صرف ایک ضرب لگانے کی ضرورت ہے تاکہ ان استحصالی طبقات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا جائے۔ اب عوام کسی صورت بھی شخصیات کی تبدیلی کے متمنی نہیں ہیں بلکہ وہ اس سامراج کے درآمد شدہ لوٹ کھسوٹ کے طبقاتی نظام پر ایک کاری ضرب لگانے کی تاک میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب ہر جگہ سامراج کو شکست اور ترقی پسند قوتیں کامیابی کی طرف رواں دواں ہیں۔ ایک طرف سامراج ایران میں دم توڑ رہا ہے تو دوسری طرف چین کے سامنے سامراج کا گھٹنے ٹیک دینا دنیا بھر کے مظلوم طبقات کی فتح اور کامیابی ہے۔ دنیا بھر کے عوام باشعور ہو چکے ہیں وہ اچھے اور بُرے دوست اور دشمن کی تمیز کرنا جانتے ہیں لہٰذا اب اسلام کے نام نہاد علمبردار اسلامی تربیت یافتہ غنڈے اسلام کی آڑ لے کر اس ناانصافیوں پر مبنی گلے سڑے لوٹ کھسوٹ کے طبقاتی نظام کی تباہی کے راستے میں بند نہیں باندھ سکتے۔ انہوں نے قومی اتحاد پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ قومی اتحاد کے عوام دشمن کردار سے عوام بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔ عوام یہ سمجھ چکے ہیں کہ ان سیاسی جماعتوں کی موجودگی میں وہ اس ظالمانہ سماج سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

انہوں نے مطالبہ کیا کہ تعلیمی ادارے جن مشکلات سے دوچار ہیں وہ مشکلات دور کی جائیں اور طالبات کی علیحدہ یونیورسٹیاں کھولنے کا عاجلانہ فیصلہ واپس لیا جائے کیونکہ موجودہ یونیورسٹیوں کا بجٹ پورا نہیں ہوتا اور وہ ہر سال خسارے میں جاتی ہیں اور موجودہ تعلیمی ادارے بے شمار مشکلات سے دوچار ہیں لہٰذا نئی یونیورسٹیاں کھولنے کی بجائے موجودہ یونیورسٹیوں کی مشکلات اور مسائل کو دور کیا جائے۔

ننکانہ صاحب * لال دین اختر

ثریا فاطمہ کی تیسری نظربندی

پیپلز پارٹی کی خاتون رہنما ثریا فاطمہ کو گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ میں دوبارہ نظربند کر دیا گیا ہے۔ انہیں حال ہی میں تین ماہ کی نظربندی کے بعد جیل سے رہا کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے ثریا فاطمہ نے سمری ملٹری کورٹ کی طرف سے دی جانے والی نو ماہ کی سزائے قید بامشقت ملتان جیل میں کاٹی تھی۔ پولیس تھانہ جڑانوالہ گھر نے ثریا فاطمہ کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے والد رائے خورشید احمد اور چھوٹے بھائی نصیر اللہ کو حراست میں رکھا اور گھر پر چھاپہ مار کر ان کے مویشی بھی قبضہ میں رکھے۔ ثریا فاطمہ کی نظربندی کے متعلق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ شیخوپورہ کے حکم میں کہا گیا ہے کہ ثریا فاطمہ پیپلز پارٹی کی ایک سرگرم اور جان پر کھیل جانے والی کارکن ہے اور وہ پیپلز پارٹی کی خاتون ورکروں کو موجودہ حکومت کے خلاف مظاہرے کرنے اور سرکاری نجی املاک کو نذرِ آتش کرنے اور نقصان پہنچانے کی ترغیب دیتی ہے۔ نظربندی کے حکم میں مزید کہا گیا ہے کہ صوبے کے مختلف اضلاع میں تخریب کار اور سماج دشمن عناصر پھر سے سرگرم عمل ہیں مثلاً بہاولپور کے سرکٹ ہاؤس میں عدالت عالیہ کے ایک فاضل جج کے کمرہ اور ڈی آئی جی پولیس لاہور رینج کے مکان پر فائرنگ کی گئی۔ ایک سینما اور اسمبلی چیمبرز لاہور میں بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔ ان حالات کے پیشِ نظر احتیاطی اقدامات عمل میں لائے جانے ضروری ہیں لہٰذا امن عامہ کی خلاف ورزی کو روکنے کے لئے تحفظ امن عامہ آرڈیننس کے تحت ثریا فاطمہ کی گرفتاری اور ایک ماہ کیلئے نظربندی ناگزیر ہے۔

تھرپارکر

محبوب احمد

قومی اتحاد اقتدار کے لالچ میں ساکھ کھو بیٹھا

اندرون سندھ گرفتاریوں کے لئے فہرستیں جماعت کے مشورے سے تیار کی گئیں

ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی بچانے کے لیے اپیلوں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا ہے۔ پچھلے دنوں اندرون سندھ کی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشنوں کی جانب سے جان بخشی کی اپیلیں کی گئی ہیں۔ تھرپارکر بار ایسوسی ایشن نے بھی سابق وزیر اعظم کی جان بخشی کے سلسلے میں ایک قرارداد اکثریت سے پاس کی ہے۔

ایک طرف تو عوام کی اکثریت فکرمند ہے کہ جناب بھٹو کی زندگی کی حفاظت کس طرح کی جائے اس سلسلے میں سندھ کے گوشے گوشے سے صدر ضیاء الحق کے نام بذریعہ ٹیلیگرام اپیلیں کی جا رہی ہیں دوسری طرف اتحادی اقتدار پرست ملک کے اندر اور باہر سے اپیلوں کے طویل سلسلے سے بوکھلا کر اس قسم کی اپیلوں کو انصاف میں مداخلت قرار دے رہے ہیں اس سلسلے میں سابق نٹ کانسٹیبل چودھری ظہور الٰہی کا دعویٰ ہے کہ اندرون ملک میں پیپلز پارٹی کا اثر بالکل نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ردعمل نہیں ہوا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ سابق وزیر اعظم کی زندگی بچانے کے لئے تحریک کے نام پر توڑ پھوڑ اور ہنگامے باوجود کوشش کے نہ ہو سکے۔

چودھری صاحب یا ان کی قبیل کے دوسرے رہنماؤں کی لن ترانیوں کا جواب تو عوام وقت پر ہی دیں گے مگر ان کی پارٹیوں کے نچلے طبقوں کے حلقوں میں ان کی جو حیثیت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان مسلم لیگ کے کارکنوں نے لیگ کی قیادت کے خلاف ان کی ابن الوقتی کی وجہ سے بغاوت کر کے پاکستان مسلم لیگ کا ورکرز گروپ قائم کر لیا ہے جس کے صدر راجہ محمود اختر نے ۲۲ مارچ کو لاہور میں ایک قومی کنونشن طلب کیا ہے جس میں لیگ کی قیادت کا فیصلہ کیا جائے گا اس سلسلے میں اندرون سندھ مسلم لیگ کے کارکنوں سے رابطہ کے لیے مسلم لیگ ورکرز گروپ کراچی کے صدر بشیر احمد بلوچ سندھ کے اضلاع کا تفصیلی دورہ کر رہے ہیں۔ موصوف نے تھرپارکر، حیدرآباد، سانگھڑ، نوابشاہ اور دیگر ضلع ہیڈکوارٹرز میں کارکنوں سے ملاقات کرنے کے ساتھ مقامی صحافیوں کو تفصیلی صورتحال تباہی سے بری طرح

خاص میں بھی اخباری نمائندوں سے بات چیت کے علاوہ موصوف نے بیان کے مقامی رہنماؤں رائے محمد اسلم، اعجاز احمد اور رحمان شیخ کا مشترکہ بیان پریس کے حوالے کیا جس میں کہا گیا ہے کہ اقتدار سے ہٹائے جانے کے بعد پیپلز پارٹی کی قیادت کے عوامی مفاد میں صحیح موقف نے اسے ملک بھر میں ایک طاقت ور سیاسی قوت کی حیثیت سے نئی زندگی دی ہے جبکہ قومی اتحاد عوامی مفاد اور ملکی سلامتی کو نظرانداز کر کے اقتدار کے لالچ میں اپنی سابقہ حیثیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا ہے اسی کی وجہ سے سب سے زیادہ نقصان پاکستان کی خالق قائد اعظم کی امانت ملک گیر سیاسی تنظیم مسلم لیگ کو اس کی مفاد پرست نااہل قیادت کی وجہ سے اٹھانا پڑا ہے بیان میں پاکستان مسلم لیگ فارورڈ بلاک کے صدر راجہ محمود اختر کی طرف سے ۲۲ مارچ کو لاہور میں بلائے گئے کنونشن کا زبردست خیر مقدم کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ لیگ کو مفاد پرست قیادت کی غلاظت سے پاک

مسلم لیگ کی قیادت کے خلاف بغاوت

ورکرز گروپ قائم ہو گیا

کرنے کے لیے اب ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ کارکن قیادت کا خود فیصلہ کریں۔ بیان کے آخر میں کہا گیا ہے کہ ایک طرف تو مزدوروں، صحافیوں، طلبہ اور سیاسی کارکنوں سے جیلیں بھری جا رہی ہیں۔ اخبارات پر سنسر لگا کر صحافتی آزادی سلب کر لی گئی ہے مہنگائی سے غریب عوام کی زندگی مشکل ہو گئی ہے دوسری طرف مسلم لیگ کی اقتدار پرست قیادت آنکھیں بند کر کے کرسیوں کے لالچ میں دھڑوں کی سیاست میں مصروف ہے لیگی کارکنوں نے تینوں دھڑوں کے لیڈروں سے ملکی سلامتی کی خاطر اتحاد کی دردمندانہ اپیل کی ہے مسلم لیگ—

ورکرز گروپ کراچی کے صدر بشیر احمد بلوچ نے نواب شاہ سے اپنے ایک اخباری بیان میں صدر ضیاء الحق سے اپیل کی ہے کہ پاکستان کی سلامتی اور یکجہتی کی خاطر سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت منسوخ کر کے ان کو باعزت طور پر بری کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کی سلامتی اور بقاء کی خاطر فوری منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرا کر اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیں موصوف نے یقین دلایا ہے کہ ہم بحالی جمہوریت کے سلسلے میں جمہوری قوتوں کے ساتھ ہیں۔

اندرون سندھ ماہ فروری کے شروع سے ہی پیپلز پارٹی اور بائیں بازو کی دیگر تنظیموں اور رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اس سے پہلے ہی متعلقہ پارٹیوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کی فہرستیں مقامی سرکاری اداروں نے جماعت اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیموں کے اشتراک سے مرتب کر لیں تھیں اس مرتبہ گرفتاریوں کی فہرستوں کو تین حصوں اے، بی، سی میں تقسیم کیا گیا تھا۔ فہرست اے میں پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت سے تعلق رکھنے والے وڈیروں کے نام درج تھے جن کو ضلعی حکام نے طلب کر کے وارننگ دی اور تحریری یقین دہانی طلب کی کہ کسی بھی متوقع سیاسی واقعے کی بنیاد پر کسی بھی ردعمل کا اظہار نہیں ہو گا جن رہنماؤں نے تحریری طور پر اس قسم کی یقین دہانیاں کر دی ہیں وہ آزاد گھروں میں آرام کر رہے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس سے معذوری ظاہر کی ہے وہ جیل کی چار دیواری میں منتقل کر دیئے گئے ہیں قابل ذکر بات یہ ہے کہ تحریری یقین دہانی کرنے والے پیپلز پارٹی کے وڈیروں نے اندرون سندھ اپنی مقامی کوٹھیوں کو تالا ڈال کر بڑے شہروں کے رہائشی بنگلوں میں مقیم ہو کر عملی طور پر سیاست سے دست کش ہونے کا اظہار کر دیا ہے جبکہ درمیانے درجے کے رہنما اور کارکن اتحادی سیاست کی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بن رہے ہیں ویسے تو اٹھارہ ماہ کی مثبت نتائج کے حصول کی مہم کے نتیجے میں مختلف اوقات میں مختلف بہانوں سے اس طبقے کے کارکنوں کو جیلوں میں ٹھونسا جاتا رہا ہے جہاں وہ جیل کی چار دیواری میں اپنے قائد کی زندگی اور درازی عمر کی دعاؤں کے ساتھ ہی ساتھ کوڑوں اور مشقت کی سختیوں سے گذرتے رہے ہیں مگر ان کے طبقے سے ان کی جگہ پر کرنے کے لیے آنے والے یا جیلوں میں رہائی کے بعد دوبارہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے محدود سیاسی سرگرمیوں میں مصروف کارکنوں کا بغرض گرفتاری اندراج فہرست "بی" میں کیا گیا تھا جن کو مارشل لاء (۱۲) کے

تحت یا پھر دیگر قوانین کی خلاف ورزی کے الزام کے تحت تین تین ماہ کے لیے نظر بند یا پھر سال بھر کی قید بامشقت اور کوڑوں کی سزائیں دی جا رہی ہیں۔ اندرون سندھ ہر ضلع سے ایسے سیکڑوں کارکنوں کو ۲ فروری سے ۱۴ فروری تک پکڑ کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے ان گرفتار شدگان کے ورثا اپنے جگر گوشوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں مگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ مختلف ذریعوں سے جو اطلاعات فراہم ہو سکی ہیں ان کے مطابق حیدر آباد، دادو تھرپارکر، خیرپور، سکھر، نواب شاہ، لاڑکانہ، شکارپور اور بدین سانگھڑ کے علاوہ دوسرے اضلاع سے مندرجہ ذیل کارکنوں و رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا ہے۔

تھرپارکر ضلع سے پیپلز الیکشن کمیٹی، تھرپارکر کے چیئرمین نوروز خان اور ان کے ساتھیوں کو ۱۵ فروری کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا جبکہ تھرپارکر میں گرفتاریوں کا یہی سلسلہ ۸ فروری سے بھٹو صاحب کی حمایت میں پیپلز الیکشن کمیٹی کی طرف سے جلوس نکالنے کے بعد شروع ہوا جلوس کے فوراً بعد مختلف جگہ پر چھاپے مار کر ممتاز لغاری عبدالستار مجاہد، شفیع لغاری، کمال لغاری، ایس ایم سلیم علی نواز، نظیر وغیرہ کو گرفتار کیا گیا جن میں سے ممتاز لغاری اور ایس ایم سلیم کو ایک ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی ان کے علاوہ ضلع بھر سے لاتعداد کارکن گرفتار کئے گئے جن میں سے یہ نام معلوم کیے جا سکے ہیں لونگ ملنگ، روچی رام، احمد خان بھرگڑی، مولانا امیر خان، مراد بلوچ، پیر بخش بلوچ، جمال الدین مکرانی، شمس الدین شیخ عمر بلوچ صدر پیپلز پارٹی ڈگری، علی مراد کالرد، دلیپ کمار اللہ ڈنو پلی اور ان کے علاوہ لاتعداد کارکن جن کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ ضلع سانگھڑ سے عبدالواحد بردہی حاجی خان تالپور غلام رسول مجاہد، عبدالستار ہکیم طالب علم رہنما عبدالرزاق سومرو عبداللہ ودایا، حامد خان تالپور، شاہنواز بابر، عبدالسلام ہکیم کے علاوہ کافی تعداد میں گرفتار کارکنوں کے نام معلوم نہ ہو سکے ان کے علاوہ حیدرآباد سے علی نواز شاہ، رسول بخش پلیجو ان کی اہلیہ زرینہ بلوچ اور پیپلز پارٹی کی عزیزہ سومرو بیگم مریم سومرو، صلاح الدین ایڈوکیٹ، منصور بھٹی، علی محمد جھوڈو دادو سے سابق سینیٹر محمد سلیمان سمیجو، رجب پھنور، معین الدین سلطان پیرل کھوسو، احمد خان ڈاھر شمس الدین ناریجو، ڈھنی بخش میرانی، نصرت ڈاھر، محمد بخش راجانی، اور سانگھڑ سے علی ڈنو شاہ لاڑکانہ سے حاجی منور عباسی، بیگم شمل چانڈیانی وغیرہ، بدین سے پیافند کے عبدالغفور نظامانی اور کارکن جن کے نام معلوم نہ ہو سکے اطلاعات کے مطابق ان کے ورثا اپنے عزیزوں کی گمشدگی پر پریشان ہیں ٹنڈو الہ یار خیرپور میرس جوہی سے بھی گرفتاریوں کی اطلاعات ملی ہیں جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں پیر علی تقی شاہ، طالب علم رہنما اقبال چانڈیو سابق صوبائی وزیر خوراک عبداللہ شاہ مسعود بھٹی عطار علی لطیف منگریو، اسد شیخ، نواب شاہ سے محمد بخش ڈھامرا جوہی سے قادر بخش، عبدالعزیز لنڈ، محمد بخش پنھور تلہار اور شادی پلی سے نواز علی اور عبدالغفور، دادو سے شاہ میر وغیرہ، قومی محاذ آزادی ضلع تھرپارکر کے رہنما کو ۱۳ فروری کو شام ۷ بجے گرفتار کیا تھا رات بھر حوالات میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ڈگری سے باہر نہیں جا سکتے۔

باوثوق ذرائع کے مطابق فہرست میں پیپلز پارٹی اور دیگر بائیں بازو کے ہمدردوں اور حلقۂ اثر پر مشتمل ہے جن کو سماج دشمن افراد کے خلاف مہم کے دوران سیکڑوں کی تعداد میں جرائم کو کنٹرول کرنے والے مختلف قوانین کے تحت قید کر دیا گیا ہے۔

اندرون سندھ عام گرفتاریوں کے ذریعہ اس قدر خوف و ہراس پیدا کر دیا گیا ہے ضلعی شہروں کی رونق ختم ہو کر رہ گئی ہے شہری دکاندار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں لوگ خرید و فروخت کے لیے بھی دیہات سے شہروں کا رخ نہیں کرتے۔ البتہ شہروں اور دیہات کو شہروں سے ملانے والی شاہراہوں پر ٹرکوں اور سوزوکیوں میں مسلح پولیس کا گشت آجکل روزمرہ کے قواعد میں شامل ہو گیا ہے اس خوف و ہراس کے ماحول میں مثبت نتائج کا حصول کس قدر ممکن ہے اس کی وضاحت تو برسر اقتدار زعما ہی کر سکتے ہیں مگر عوامی اظہار کو رد کرنے کے لئے کی گئی انتظامی کوششوں کا نتیجہ عوام اور برسر اقتدار حکمرانوں کے درمیان جس خاموش کش مکش کو جنم دے رہا ہے اس سے کیا نتائج برآمد ہوں گے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا جبکہ نظرثانی کی درخواست اور دیگر قانونی کوششوں کی وجہ سے سزائے موت کی توثیق کا فیصلہ سننے کے لیے سکتہ کے عالم میں مبتلا دیہی عوام اپنے قائد کے بری ہونے کی امید پر پھر سے قانونی کاوشوں میں مصروف جناب بھٹو کے وکلاء کی نئی کوششوں پر نظر جمائے انصاف کے منتظر ہیں۔

IIII

شراکت اور کمیشن" کا نام دے کر سود کو برقرار رکھا گیا ہے

نیشنل پروگریسو پارٹی سائٹ کی جانب سے ایک استقبالیہ "اسیران یوم مئی" کو دیا گیا جس میں این پی پی کے رہنما محمد الیاس نے اسیران یوم مئی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت کی جانب سے بار بار اس اعلان کے باوجود کہ جلوس نکالنے کی اجازت نہیں ہے اسیران یوم مئی نے یکم مئی کو مزدوروں کا عظیم دن منانا کے جلوس نکال کر منایا۔ مزدور رہنما جناب عبدالمجید نے کہا کہ ہم نے اس جلوس میں بائیں بازو کی دوسری تنظیموں کو جوڑنے کی کوشش بھی کی حکمران ہمارے جلوس سے خوف زدہ تھے اور اگر دوسری تنظیمیں بھی جلوس میں شامل ہوتیں تو ہماری کامیابیاں بڑھ جاتیں۔ مزدور طلباء کسان عوامی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین جناب جاوید شکور نے کہا کہ آج جماعت اسلامی اور دوسری پارٹیاں برسر اقتدار ہیں اور اسلامی نظام کے قیام کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔ یہاں سائیکل اور ایسی ہی چھوٹی موٹی چیزوں سے سود ختم کر کے ہمیں بہلایا جا رہا ہے جبکہ افغانستان میں قومی جمہوری انقلاب نے سود کا خاتمہ کر دیا اور لاکھوں کسان خاندانوں کی زمین جو گروی رکھی ہوئی تھی کسانوں کو واپس مل گئی جس کی وجہ سے افغانستان کے جاگیردار اور سود خور پاکستان بھاگ کر آ رہے ہیں اور نور محمد ترہ کی پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دور دراز پہاڑوں میں بسنے والے قبائلیوں کو جن کو ظاہر شاہ اور داؤد نے اپنے مذموم سیاسی مقاصد کے تحت جاہل رکھا تھا بیوقوف بنایا جا رہا ہے کہ ترہ کی کی حکومت کافر ہے مگر اب تعلیم کا اجالا افغانستان میں پھیل رہا ہے اور جلد ہی قبائلی بھی سمجھ جائیں گے کہ ان کے اصل دشمن کون ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سامراج کے زیر تسلط سرمایہ داری نظام میں سود کا خاتمہ ناممکن ہے۔ سود صرف سوشلسٹ نظام معیشت میں ہی ختم کیا جا سکتا ہے اس لئے ہمارے ملک میں سود کو کمیشن اور شراکت کا نام دے کر برقرار رکھنے کا ڈھونگ رچایا جا رہا ہے۔ یہ کیسا اسلامی نظام ہے کہ مہنگائی اور بیروزگاری بڑھ گئی ہے۔ کارخانے بند ہو رہے ہیں۔ حکومت ۵ لاکھ ٹن اناج درآمد کرنے پر مجبور ہے ملتان میں مزدوروں کا، ٹ فیڈر میں کسانوں کا اور خضدار میں طلباء کا قتل عام کیا جاتا ہے اور قاتل آزاد دندناتے پھرتے ہیں۔ مزدوروں اور کسانوں کے انقلابی رہنما جام ساقی کو نامعلوم ٹارچر سیل میں ایذائیں دی جا رہی ہیں۔ اور ریٹڑی سیمنٹ ورکس کے مزدوروں پر پولیس ایکشن کر کے ان کا پانی بجلی بند کر دیا گیا۔ چالیس مزدوروں کو برطرف کر دیا گیا ۳۲ کو قید اور کوڑوں کی سزائیں دی گئیں۔ نیکر طی اور ملحقہ کالونی کو

سیاسی صورتحال کے بارے میں
پیپلز پارٹی سرحد
کا تجزیہ

سرکاری دفاتر میں
جماعت اسلامی کے کارکنوں
کو بھرتی کیا جا رہا ہے

باجپائی کی دھمکی اور دفترِ خارجہ کی پُراسرار خاموشی

چین کے کسی حکمران نے ایک چینی فلسفی سے پوچھا تھا کہ مستحکم حکومت۔ خوش حال اور ناقابل تسخیر ملک کے لئے کون سی باتیں ناگزیر ہوتی ہیں فلسفی نے جواب دیا تین باتیں بے حد ناگزیر ہیں۔ پہلی بات یہ کہ ملک کا دفاع مضبوط ہو، دوئم یہ کہ ملک اقتصادی اور معاشی طور پر خوش حال ہو اور سوئم یہ کہ عوام کو اپنی حکومت پہ اعتماد ہو۔ حکمران نے سوال کیا اگر ان تین شرائط میں سے کوئی ایک پوری نہ ہو سکتی ہو تو کون سی باقی دو شرائط لازم ہیں۔ فلسفی نے کہا کہ اگر دفاع زیادہ مضبوط نہ بھی ہو تو بھی ملک باقی رہ سکتا ہے بشرطیکہ باقی دو شرائط موجود ہوں حکمران نے پھر سوال کیا اگر باقی دو میں سے بھی کوئی ایک شرط پوری نہ ہو سکتی ہو تو وہ آخری شرط کیا ہے جس پر عمل کرنا ناگزیر سمجھا جائے۔ جواب ملا۔ اقتصادی اور معاشی طور پر مکمل خوش حال ہوئے بغیر بھی کام چل سکتا ہے مگر حکومت پر عوام کے اعتماد کے بغیر ملک کو محفوظ نہیں رکھا جا سکتا اگر عوام کو اپنی حکومت پر اعتماد ہو تو تمام مشکلات پر قابو لیتے ہیں۔

ہمیں یہ تو نہیں کہ چینی حکمران نے اپنے فلسفی کے مشورے پر عمل کیا یا نہیں؛ اس حکایت کی روشنی میں البتہ جب اپنے ملک کے بارے میں غور کرتے ہیں تو یہاں صورت حال چینی فلسفی کی تینوں شرائط سے مختلف نظر آتی ہے دفاع کے معاملے میں ہر چند ہم کتنے ہی بلند بانگ دعوے کریں مشرقی پاکستان میں ہماری شکست اور موجودہ پاکستان کے پانچ ہزار مربع میل علاقے سے ۱۹۷۱ء میں محرومی ایسے واقعات ہیں جنہیں ہم اپنی مضبوط دفاعی استعداد کے طور پر پیش نہیں کر سکتے پڑوسی ملک بھارت کے ایٹمی طاقت بن جانے کے بعد تو طاقت کا توازن اور بھی بگڑ چکا ہے تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ ہمیں افغانستان جیسے ملک کو خطرہ بنا کر پیش کرنے اور اسلحہ حاصل کرنے کا جواز ڈھونڈنا پڑ رہا ہے

جہاں تک اقتصادی اور معاشی خوشحالی کا تعلق ہے وہ تو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں مہنگائی میں اضافہ اور پیداوار میں تشویشناک حد تک کمی کا ریکارڈ ہمارے سامنے ہے لوگوں کی عام حالت ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم معاشی اور اقتصادی طور پر کتنے خوش حال ہیں رہ گیا سوال عوام کے اپنی حکومت پر اعتماد کا تو اس کا تلخ ترین پہلو یہ ہے کہ نہ تو عوام کو حکومت پر اعتماد ہے نہ حکومت کو عوام پر اعتماد ہے چینی فلسفی نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ عوام کو اپنی حکومت پر اعتماد ہونا چاہیئے یہاں معاملہ بے اعتمادی کی اس حد تک ہے کہ خود حکومت کو ہی عوام پر اعتماد نہیں عوام کی بے اعتمادی کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جس حکومت نے انتخابات کے نام پر اقتدار سنبھالا تھا وہ ابھی تک عوام سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کر سکی۔ حکومت کی عوام پر بے اعتمادی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ عوام سے جو مثبت نتائج چاہتی ہے حاصل ہوتے نظر نہیں ہوتے اس صورت حال میں ہمارے ملک کا مستقبل کیا ہونا چاہیئے یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دیتے ہوئے کوئی بھی محب وطن پریشان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ گرد و پیش کی تبدیلیوں کے آئینے میں ہمارا ملک خوفناک اور لرزہ خیز اندیشوں سے دوچار نظر آتا ہے۔

سیاسی سفر

پانچ جولائی ۱۹۷۷ء سے لے کر یکم جنوری ۱۹۷۹ء کے خاتمہ تک پاکستان جن مراحل سے گزرا ہے ضرورت ہے کہ اس کی قدم قدم نشان دہی کی جائے۔ صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو کسی مبالغہ کے بغیر ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ سن و سال کے سفر میں طے شدہ مراحل پیش قدمی کے لئے نہ تھے بلکہ تاریخ کے صفحات پر پسپائی کی نشان دہی کرتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ۵ جولائی کا دن پاکستان کی تاریخ کا وہ آخری دن تھا جو منتخب جمہوری حکومت کا پاکستان کے عظیم مستقبل کی طرف دوسرے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہو۔

چھاؤنی بنا دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس جرم میں کہ روہڑی کے مزدوروں نے لاڑکانہ کے مزدوروں کی حمایت میں تحریک چلائی تھی۔

پاکستان ورکرز فیڈریشن کے سیکریٹری نشر و اشاعت جناب محمد فصیح نے کہا کہ ہم نے یکم مئی کو جلوس نکال کر خوف و ہراس کو توڑ دیا ایران کے قومی جمہوری انقلاب نے آج سامراج کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی ہے۔ ایران کے انقلاب سے عالمی سامراج کو جو نقصان ہوا ہے وہ کسی بھی دوسرے ملک میں انقلاب آنے سے نہ ہوتا۔ ایران امریکہ کا سب سے بڑا فوجی اڈہ تھا۔ ہتھیاروں کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔ یہ ہتھیار غریب ایرانی عوام کے خون پسینے کی کمائی سے خریدے جاتے تھے اور امریکی سامراج اور شہنشاہیت کے مفاد میں استعمال کئے جاتے تھے۔ جناب فصیح نے کہا کہ بین الاقوامی سامراجی نظام بحران کا شکار ہے اور وہ دن دور نہیں جب ظالموں کا ذرہ ذرہ حساب ہوگا۔ ان کو حساب دینا ہوگا کہ انہوں نے حسن ناصر کو کیسے قتل کیا۔ جام ساقی کو کیسے اذیتیں دیں۔ ملتان اور پٹ فیڈر کے مزدوروں اور کسانوں کا قتل عام کیوں کیا۔ روہڑی سیمنٹ کے مزدوروں پر پولیس ایکشن کیوں کیا گیا۔

جلسے سے این۔ پی۔ پی دیہہ کے مہمان رہنما طفیل رحمٰن، این پی پی کراچی کے رہنما عزیز الرحمٰن اور آرگنائزنگ کمیٹی کے رکن عبادہ خان اور صوفی جان نے بھی خطاب کیا۔ ●

یہ وہ دن تھا جس میں صنعتی ترقی کے استحکام اور زرعی منصوبہ بندی کے معاملات میں اضافے اور جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کی طرف پیش قدمی کرنی تھی اور آئندہ پانچ سالوں میں یعنی ۱۹۸۲ء کے اختتام تک پاکستان کو عوام کے اعتماد کی طاقت سے سیاسی۔ اقتصادی معاشی اور دفاعی قوت میں تبدیل کرنا تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ منتخب حکومت کے صنعتی منصوبوں کو اپنے کھاتے میں ڈال کر حکمران ٹولہ داد شجاعت وصول کر رہا ہے جبکہ اپنا کارنامہ پونے دو سال میں اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ چند قرطاس ابیض شائع کر دیئے گئے ظلم کی داستانیں پیش کر دی گئیں اور نا اہلی کے ٹربیونل کھڑے کر دیئے گئے۔ ہم سیاسی طور پر کہاں کھڑے ہیں؟ غور کیا جائے تو کھڑے نظر آنے کی بجائے ہم سامراجی سازشوں کے بستر پر لیٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ہمارے سیاسی وجود پر حالت نزع طاری ہے۔

غور کیجئے کہ وہ ملک جس نے بھارت جیسے ملک کے ساتھ مقابلہ میں سلامتی کونسل کی نشست جیتی تھی اقوام متحدہ میں اسرائیلی نمائندوں کے تمسخر اور تضحیک کا نشانہ بنا ہوا ہے وہ ملک جو تیسری دنیا کے لئے آزادی اور اقتصادی خود مختاری کی جدوجہد کے ہیرو کے طور پر ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ میں انقلابی قیادت کی علامت سمجھا جاتا تھا برصغیر میں بھارت کی حکمران جنتا پارٹی کا بغل بچہ بن کر رہ گیا ہے۔ وہ ملک جس نے ایٹمی ری پروسسنگ پلانٹ کے حصول کے لئے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقت امریکہ کی دھونس کے آگے سر نہ جھکایا تھا۔ آج بھارتی وزیر خارجہ اٹل بہاری باجپائی کی ڈانٹ ڈپٹ سے سہما ہوا نظر آتا ہے۔

خارجہ پالیسی

سیاسی سفر کو خارجہ پالیسی کے حوالہ سے ہی متعین کیا جاتا ہے یہ ایک افسوسناک سانحہ ہے کہ پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد ہمارے ہاں خارجہ محکمہ ناپید نظر آتا ہے خارجہ امور کے بارہ میں خارجہ امور کے مشیر کم بولتے نظر آتے ہیں اور جماعت اسلامی کے وزراء زیادہ چہکتے دکھائی دیتے ہیں یوں لگتا ہے کہ وزارت خارجہ کے دفتر جماعت اسلامی کے ہیڈ کوارٹر میں منتقل کر دیئے گئے ہیں اس مضحکہ خیز صورت حال کی کئی وجوہات ہیں مثال کے طور پر موجودہ حکومت کے وزیر اور مشیر گزشتہ اٹھارہ مہینوں سے کشمیر کے سوال پر عوامی حکومت کو الزامات کا ہدف بنائے ہوئے کہ سابق وزیر اعظم نے بھارت سے سازش کر کے کشمیر کا تیہ پانچہ کر ڈالا ہے اس کے برعکس جب اٹل بہاری باجپائی جھڑکیاں دیتا ہے تو گھٹنوں میں سر دے کر کے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے اور تو اور حکومت کے ایڈیشنل سیکرٹری اطلاعات پاکستان ٹائمز میں جواب مضمون لکھ کر حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ کشمیر کی بات نہ کیجئے ایک طرف تو حکومت سینٹو سے علیحدگی کی بات کرتی ہے اور الگ نہیں ہوتی۔ دوسری طرف جماعتی وزیر اطلاعات دولت مشترکہ سے پاکستان کی علیحدگی کا ماتم لندن کے شہر میں کرتے ہیں اور کوئی آنجناب سے پوچھتا تک نہیں کہ جناب عالی آپ کیا فرما رہے ہیں ایک طرف تو دوسرے ملکوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں کو بڑھا چڑھا کر اچھالا جاتا ہے دوسری طرف حکومتی پارٹی کو ایران اور افغانستان کے داخلی معاملات میں غیر ذمہ دارانہ مداخلت پر ٹوکا تک نہیں جاتا ایک طرف تو بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے پاکستان کا تذکرہ چھیڑ کر سابق حکومت کو گالیاں دی جاتی ہیں اور دوسری طرف وزیر مشیر گلے میں کشکول ڈالے قرضوں کے لئے در در کی خاک چھانتے پھرتے ہیں اور ناکام و نامراد لوٹ آتے ہیں۔ ایک طرف چین اور امریکہ کو خوش کرنے کے لئے کمپوچیا کی معزول حکومت کی بالواسطہ حمایت کی جاتی ہے دوسری طرف دفاعی اور اقتصادی معاونت کے لئے روس کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کی توقع رکھی جاتی ہے ستم ظریفی کی حد تو یہ ہے کہ وزارت خارجہ کے مشیر آغا شاہی جماعت اسلامی کے افسر رابطہ بن کر رہ گئے ہیں۔

مشیر امور خارجہ جناب آغا شاہی کی کارکردگی دیکھنے کے لئے پاکستانی سفارت خانوں کی کارکردگی دیکھنی ضروری ہے جو اپنی سیاسی ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر جماعت اسلامی کے پروپیگنڈہ دفاتر میں تبدیل ہو چکے ہیں جو صبح سے شام تک دنیا کو قرطاس ابیض تقسیم کر کر کے نظریہ ضرورت کے تحت برسراقتدار آنے والی حکومت کی حقانیت کا قائل کر رہے ہیں جو سابق حکومت پر غلاظت اچھال اچھال کر موجودہ حکومت کی پاک دامنی ثابت کر دیتے ہیں۔ سفارتخانوں کی اس کارکردگی کے ساتھ ہمارے آپ کے یا پاکستان کے عوام کے کون سے مفادات وابستہ ہیں اس کا اندازہ ہر شخص بخوبی لگا سکتا ہے تمثیلی استدلال کی رو سے جناب آغا شاہی موجودہ حکومت کی خارجہ حکمت عملی کا مکمل نمونہ ہے یہ واقعہ تو عوام کے ذہنوں میں ابھی تک محفوظ ہی ہوگا کہ جناب آغا شاہی نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ایک اور اقوام عالم کے سامنے اعلان کیا کہ اٹھارہ اکتوبر کو پاکستان میں انتخابات ہو رہے ہیں اور پھر اگلے روز ان کو نیویارک میں یہ خبر ملی کہ انتخابات غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔ ●

جانِ عالم اور دیگر طلبا کو رہا کیا جائے

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن سکھر کے آرگنائزر اقبال میمن نے ایک اخباری بیان میں این ایس ایف کے صدر جان عالم جنرل سیکریٹری محمود الحسن نائب صدر وصی اللہ، جوائنٹ سیکریٹری خاقان علی مرزا لاہور این ایس ایف کے نائب صدر سہیل ملک کراچی کی مجلس عاملہ کے اراکین محمد احمد رضوی، جعفر الحسن اکرم قائم خانی، اسلام الدین، علی عباس، رشید الدین وغیرہ کی گرفتاری اور تین تین ماہ کے لئے پابندِ سلاسل کر دینے کی سخت مذمت کی ہے اور فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔"

اقبال میمن نے کہا کہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ پولیس نے صالحین کی مخبری پر بغیر وارنٹ کے گھر میں داخل ہو کر نہ صرف پردہ دار خواتین کی بے عزتی کی اور اہلِ خانہ کو ہراساں کیا بلکہ طالب علم رہنماؤں کو جو کہ این ایس ایف کراچی کے کنونشن کی تیاری تنظیمی امور پر تبادلۂ خیال کے لئے اکٹھے ہوتے تھے، بغیر وارنٹ کے گرفتار کر کے لے گئی۔ حالانکہ وہ کوئی غیر قانونی اجتماع نہیں تھا بلکہ معمول کے مطابق تمام طالب علم تنظیموں اور سیاسی پارٹیوں کی طرح تنظیمی اجلاس تھا۔ اس کے برعکس "اسلامی جمعیت طلباء" قومی اتحاد اور اس کے غیر منتخب وزراء آئے دن قانون کی دھجیاں بکھیرتے رہتے ہیں لیکن ان کے لئے نہ تو مارشل لاء کا کوئی ضابطہ استعمال کیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی قانون حرکت میں آتا ہے؟

اقبال میمن نے مطالبہ کیا کہ این ایس ایف کے رہنماؤں سمیت تمام گرفتار شدگان کو فوراً رہا کیا جائے تمام تعلیمی ادارے کھولے جائیں۔ ترقی پسند قوتوں کے خلاف یکطرفہ کارروائی کا سلسلہ فوراً بند کیا جائے۔ غیر جانبدارانہ اور منصفانہ عام انتخابات کرا کے اقتدار منتخب حکومت کے سپرد کیا جائے۔

اقتصادی معاملات

غور کیجئے تو اقتصادی شیرازہ بکھرا ہوا نظر آتا ہے افراطِ زر میں اضافہ ایک عفریت کی طرح ملک کے اعصاب پر مسلط ہے۔ تجزیہ نگاروں نے اقتصادی امور پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ان اعداد و شمار کے برعکس ہے جو سٹیٹ بنک کی طرف سے کبھی کبھی صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جاری کئے جاتے ہیں پیداوار میں اضافہ کے جھوٹے پروپیگنڈے کے باوجود قیمتیں مسلسل بڑھتی جا رہی ہیں

(یہ جماعتی اقتصادی منصوبہ بندی کا کارنامہ ہے کہ پیداوار بھی بڑھے اور نہیں بھی) ستم بالائے ستم یہ کہ جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد ٹیلیویژن پر قیمتوں میں استحکام اور ٹھہراؤ کا انکشاف کرتے ہیں جبکہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کمال دیانت داری کے ساتھ اپنے امیر کی دروغ گوئی کی تردید کرتی ہے، ہم اپنے گزشتہ تجزیہ میں پچھلے اٹھارہ ماہ کے دوران چھاپے جانے والے کرنسی نوٹوں کے بارہ میں مفصل کہہ چکے ہیں جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں تاہم بعض ترقیاتی منصوبوں کی معطلی سے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی کہ ترقی کا گراف اوپر جا رہا ہے یا نیچے گرتا جا رہا ہے۔

صنعتی پیداوار کی صورت حال بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اٹھارہ ماہ کے دوران دوسری مرتبہ سیمنٹ کی درآمد کا اعلان کیا گیا ہے کوئی نہیں جانتا اپنے ہاں سیمنٹ کی پیداوار کو کونسا بحران لاحق ہے روہڑی سیمنٹ فیکٹری کے مزدوروں پر تشدد کے واقعات کو بہرحال حکومت پیداوار میں اضافہ کا شگون سمجھتی ہے اس لئے اس بارے میں ہمارا تبصرہ معاندانہ قرار دیا جا سکتا ہے ملوں اور فیکٹریوں سے مزدوروں کی چھانٹیوں کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ اس کو پیداواری عمل کے کس کھاتے میں ڈالا جائے پیداوار میں اضافہ کے کھاتہ میں یا افرادی قوت میں اضافہ کے حساب میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس دور میں کچھ ایسے بحران بھی پیدا ہوئے ہیں جو حکومت کی نیک نامی میں اضافہ کا باعث بنے ہیں مثال کے طور پر اخباری کاغذ کی قلت کا بحران یہ بحران حکومت کی اس پالیسی کی وجہ سے پیدا ہوا جو سابقہ حکومت کے اقدامات کے خلاف اختیار کی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں جہاں مدح سرائی کرنے والے اخبارات کو کاغذ کی درآمد پر لائسنس دیئے گئے وہاں ان کو بلیک میں کاغذ فروخت کرکے لاکھوں کروڑ کمانے کا موقع بھی فراہم کیا۔ دوسری طرف حزب اختلاف کے اخبارات کے گلے میں کاغذ کی گرانی کا پھندا ڈال کران کی آواز دبانے کی سعادت حاصل کی گئی سرکاری اشتہارات بند کرکے رہی سہی کسر پوری کر دی گئی اس درآمدی پالیسی کے حکمران کی غالباً ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ان اٹھارہ مہینوں میں حکومت کو ملک اور قوم نیز پوری عالمی برادری کے وسیع تر مفادات کے لئے بے تحاشہ قرطاس ابیض بھی شائع کرنے پڑتے ہیں۔ ملک کی اقتصادی صورت حال میں کسی بہتر تبدیلی کا اندازہ پیداوار اور پیداواری عمل میں اضافہ سے کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں نجی سرمایہ کاری کو فروغ دینے کی مدعی حکومت کے اس زریں دور میں اندازہ کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ اس ملک کے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں نے گزشتہ اٹھارہ مہینوں میں کن کن شعبوں میں سرمایہ کاری کی ہے۔ اخبارات کی حد تک سیمنٹ اور گھی کے شعبہ میں بعض افراد کو کارخانہ لگانے کے لائسنس دیئے گئے ہیں جن پر ابھی عمل درآمد ہونا باقی ہے۔ البتہ بنکاری کی صنعت میں اضافہ کے آثار ضرور دکھائی دیتے ہیں۔ جو اقتصادی فلسفہ میں غیر پیداواری صنعت کی حیثیت

اظہار اختلاف کے تمام راستے بند کر دیئے گئے!

رکھتے ہیں سیمنٹ گھی اور بنکاری تینوں ایسے شعبے ہیں جو سابق دورِ حکومت میں قومی ملکیت میں لے لئے گئے تھے حکومت عوام اور ماہرین کے دباؤ کے تحت قومی ملکیت یا پبلک سیکٹر کو براہ راست تباہ کرنے کا حوصلہ تو نہ کر سکی البتہ اس کو سابقہ تاج کرنے کے لئے یہ تینوں شعبے پرائیویٹ سیکٹر کے لئے بھی کھول دیئے تاکہ اجارہ دار سرمایہ دار اور صنعت کار طبع آزمائی کر سکیں یہ اور بات ہے کہ ملک کے بحرانی کلائمکس میں حکومت کی طرح سرمایہ داروں کے حوصلے بھی بلند نہ ہوئے۔

اسلامی اقتصادیات

نظام مصطفےٰ کے نعروں کی گونج کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سنائی جا رہی ہے کہ اسلام یک مشت نافذ نہیں ہو سکتا غالباً یہ سب کچھ سودی نظام کو بچانے کی غرض سے کیا جا رہا ہے کیونکہ حکومت اور ان کے مشیر یہ جانتے ہیں کہ اسلامی نظام کے نافذ العمل ہونے کے ساتھ ساتھ سامراجی اقتصادی ڈھانچہ دھڑام سے آن گرے گا بیرونی تجارت اور قرضوں کا لین دین ٹھپ ہو جائے گا اور اندرونِ ملک بنکاری کی غیر پیداواری صنعت تباہ و برباد ہو جائے گی محفوظ سرمایہ یعنی کرنسی نوٹ بینکوں سے نکل کر کاغذی حیثیت کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔

عوام یہ جاننے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر نظام مصطفےٰ کے اقتصادی نظام میں سامراجی اقتصادی فلسفہ کی جگہ لینے کی صلاحیت نہیں ہے تو گزشتہ تیس سالوں سے عوام کو یہ کہہ کر بے وقوف بنایا جاتا رہا ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے لوگ پوچھنا چاہیں گے کہ اگر اسلام تو ہاتھ پیر کاٹنے تک ہی کیوں محدود رکھا جا رہا ہے۔ اگر اسلام کے نفاذ کے لئے اسلام کے نزول کی طرح کم و بیش تیس سال ہی درکار تھے تو پھر منتخب جمہوری حکومت کے خلاف اس عنوان سے مہم چلانے کا کیا مقصد تھا کہ پی این اے ایک ہفتہ کے اندر اسلام نافذ کر دیں حکومت اور اس کے مشیروں کی تضاد بیانی اور منافقانہ مہارت پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ نہ تو اقتصادیات کی ابجد سے واقف ہیں اور نہ اسلامی نظام کے نفاذ میں پرخلوص ہیں۔ وہ صرف طاقت کے زور پر عوام کے اقتدار پر قابض رہنے میں مخلص ہیں تاکہ ایشیا۔ افریقہ۔ لاطینی امریکہ غرض پوری تیسری دنیا میں ہوا کے اس رخ کے آگے بند ھ اندھا جا سکے جو سامراجی مفادات مفادات کے چراغوں کے لئے خطرہ بن چکا ہے گماشتہ کردار اور خطرات کے مطابق وہ سامراجی چراغوں کو تیسری دنیا کے محکوم اور مظلوم عوام کے خون سے روشن رکھنے کے متمنی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ قانون اور انصاف کے تمام تر اخلاقی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر تیسری دنیا کے عظیم مدبر جناب ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی کے درپے ہیں۔ وہ اخلاقی طور پر اتنے پس ماندہ اور دیوالیہ ہو چکے ہیں کہ پھانسی کی کوٹھری میں بند موت و حیات کی کش مکش کے دو چار ایک تنہا انسان کی کردار کشی کے لئے قومی سرمایہ سے ریڈیو۔ ٹی وی اخبارات اور وائٹ پیپرز کے ذریعہ اپنے چہرے مسخ کر دیتے ہیں اس معروضی صورت حال سے ملک کے محنت کش غریب مزدور کسان طالب علم۔ جمہوریت پسند طبقات یہ بات اخذ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ جناب بھٹو کو جس جسم میں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے وہ ایک نواب کا قتل نہیں بلکہ سامراجی مفادات کے خلاف بغاوت

مارشل لاء انتظامیہ کو سلہری کا مشورہ "کشمیر کی بات نہ کیجیے"

ہے لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اسلام نظام مصطفےٰ اور جمہوریت کے باغی مظلوم اور محکوم قوموں کے پیرو اور سامراج کے باغی بھٹو کی جان لینے پر تلے ہوئے ہیں کیونکہ وہ ان تمام نقاب پوشوں کی اصل حقیقت جان چکا ہے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں بھٹو کے مر جانے سے ہوا کا رخ بدل جائے گا۔ سامراجی مردے میں جان پڑ جائے گی اور اسلام سامراجی مقاصد کا آلہ کار بن جائے گا ان کا یہ خواب قیامت تک پورا ہو گا۔ کیونکہ اس سرزمین کے لئے سامراج کا قبرستان تنہا اب مقدر ہو چکا ہے بھٹو مر سکتا ہے مگر بھٹو کو کوئی نہیں مار سکتا" عوام کا پختہ یقین ہے کہ بھٹو کے خون کے ایک ایک قطرے سے ہزاروں بھٹو جنم لیں گے اور وطن عزیز کی پاک سرزمین سے سامراجی گماشتوں اور سامراجی سازشوں کو نیست و نابود کر کے چھوڑیں گے

اس تجربہ کی روشنی میں پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی کمیٹی کا یہ نمائندہ اجلاس درج ذیل قرار داد منظور کرتا ہے" تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

صوبائی کمیٹی کا یہ اجلاس انتخابات کرانے کے وعدے سے حکومت اور اس کے مشیروں وزیروں کی پہلو تہی کے عمل کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ حکومت اور اس کی حامی عوام دشمن جماعتیں ملک میں انارکی پھیلانے کے حیلے بہانوں سے انتخابات کو ملتوی کرانے کے ہتھکنڈے سوچ رہی ہیں۔ تاکہ ملک کا اقتدار اعلیٰ عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے نہ کیا جا سکے اور فسطائی دلیلوں سے عوام کو مفتوح اور محکوم بنا کر من مانے تجربات کئے جائیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انتخابات کے ذریعے وہ مثبت نتائج حاصل نہیں کر سکتے صوبائی کمیٹی اس انداز فکر کو ملک کی سالمیت یکجہتی اور جمہوری اداروں کے لئے زبردست خطرہ سمجھتی ہے کمیٹی محسوس کرتی ہے کہ عوامی حکومت نے ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کے ذریعے ملک کے چاروں صوبوں کے عوام کے حقوق کے تحفظ کی جو ضمانت دی تھی غیر جمہوری غیر آئینی اور غیر سیاسی حکومت کے بحرانی انداز فکر کی وجہ سے خطرے میں پڑ گئی ہے اور چاروں صوبوں کے عوام مایوسی کا شکار ہونے کے بعد ملک کے آئین وفاق کے بارے میں بے بسی کا اظہار کرنے لگے ہیں جو اس خدشے کا باعث ہو سکتی ہے کہ عوام انتخابات اور وفاق کے مستقبل سے مایوس ہو کر علیحدگی کی تحریکوں میں ملوث ہو جائیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کی صوبائی کمیٹی اس سنگین صورت حال کے ازالے کے لئے مطالبہ کرتی ہے کہ مزید بحران پیدا کئے بغیر اور ملک کو مزید کسی خون خرابے سے دوچار کئے بغیر جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں تاکہ سات کروڑ عوام کا مستقبل محفوظ ہو سکے۔ صوبائی کمیٹی حکومت کو یہ مشورہ دینے میں حق بجانب ہے کہ حکومت ملک اور عوام کی قیمت پر ایسی مہم جوئی سے پرہیز کرے جو تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بن سکتی ہو پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کی صوبائی کمیٹی کے اجلاس کی نظر میں آزادانہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات ہی ملک کو درپیش بحرانوں سے بچا سکتے ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کی صوبائی کمیٹی کا اجلاس ریڈیو ٹیلیویژن پر جماعت اسلامی کے مکمل تسلط، سرکاری اداروں میں فسطائی تنظیم گستاپو کی طرز پر ملازم پیشہ افراد کو ہراساں کرنے پر، ملازمتوں سے چھٹی دلوانے اور ان کی جگہ جماعت اسلامی "تربیت یافتہ" کارکنوں کی بھرتی کرنے اقدامات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور جماعت اسلامی کے اس کھلے اور خفیہ ظلم و بہیمیت سے حکومت کی چشم پوشی پر افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ صوبائی کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ اس افسوسناک صورت حال کا ازالہ کیا جائے۔ اور جماعت اسلامی کو مسلح افواج کے "سیاسی بازو" کے طور پر دی جانے والی شہرت کا سدباب کیا جائے۔ کیونکہ عوام اور ملک کی تشکیل کے اخلاقی اور قانونی ضابطہ کے تحت مسلح افواج کو سیاست میں ملوث کرنا یا کسی سیاسی جماعت سے منسوب ہونا انتہائی سنگین مسئلہ بن جاتا ہے۔ جو عوام اور مسلح افواج میں سے کسی کے لئے بھی مفید نہیں سمجھا جا سکتا۔

صوبائی کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی اور حکومت کے زیر اثر اخبارات کے ذریعے سابق جمہوری حکومت اور اس کے سربراہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف نام نہاد ظلم کی داستانوں اور وائٹ پیپرز کی اشاعت کے یکطرفہ سلسلے کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے منافی سمجھتی ہے۔ اور محسوس کرتی ہے کہ یہ سب کچھ ایسے وقت میں محض اس لئے شروع کیا گیا ہے تاکہ سپریم کورٹ کی طرف سے قائد عوام کی اپیل پر متوقع فیصلے پر اثر ڈالا جا سکے۔ حکومت کا یہ اقدام نہ صرف توہین عدالت کے مترادف ہے بلکہ انصاف کے اصولوں کے بھی منافی ہے۔ جن کا تقاضا یہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی اور ملک کے سابق وزیر اعظم کو حکومت کے اس یکطرفہ الزامات کا جواب دینے کی اجازت دی جائے حکومت کے اس یک طرفہ رویے سے عوام بجا طور پر یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ حکومت اپنے لگائے ہوئے الزامات کی صداقت کے بارے میں مشکوک ہے۔ اور اس بات سے خوف زدہ ہے کہ اصل حقائق کی اشاعت، یکطرفہ جھوٹ کے میناروں کو منہدم کر کے رکھ دیں گے۔ صوبائی کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ پروپیگنڈے کے موجودہ غیر منصفانہ اور غیر اخلاقی سلسلے کو بند کیا جائے اور اپنے گریبان میں جھانکنے کا اسلامی فریضہ اپنایا جائے تاکہ ملک اور قوم کی بہتری کی صورت پیدا ہو سکے۔

صوبائی کمیٹی کا یہ اجلاس جمہوریت کی بحالی سے وابستہ انتخابات کی بجائے بلدیاتی انتخابات کرائے جانے اور اجرتی سیاستدانوں کی طرف سے صدارتی نظام اور لچکدار خارجہ پالیسی جیسے شوشے چھوڑے جانے کی حکمت عملی کی مذمت کرتا ہے۔ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ بلدیاتی انتخابات کی ہوا بندی کا یہ پروپیگنڈہ بند کیا جائے اور صدارتی نظام کے ذریعے ملوکیت کے نفاذ کی کوششیں ترک کی جائیں کیونکہ کیو

عوام کے لئے کسی فرد واحد کی مطلق العنانی کا کوئی بھی نظام قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اجلاس یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حکومت کو نظریہ ضرورت کے تحت ملک کی سب سے بڑی عدالت نے محض انتخابات کرانے کی حد تک جائز قرار دیا تھا موجودہ حکومت ۱۹۷۳ء کے آئین کے طے شدہ نظام حکومت میں تبدیلی کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتی۔ نہ ہی وہ اجرتی سیاستدانوں کے ذریعے کسی تبدیلی کی مجاز ہو سکتی ہے۔ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ عوام کے ردعمل احساسات اور مطالبات کو نظر انداز کر کے شوشہ بازی کی حکمت عملی ختم کی جائے۔ اور ایسے سیاستدانوں کو لگام دی جائے جو ملک میں مزید بحران پیدا کرنے پر مقرر کئے گئے ہیں۔

صوبائی کمیٹی کا یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ملک اور عوام کے مفاد میں گذشتہ اٹھارہ ماہ کے کارناموں کا ریکارڈ، ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کے ذریعے عوام کے سامنے پیش کرے۔ تاکہ پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت کے بارے میں لوگوں کو حقائق معلوم ہو سکیں اجلاس یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ حکومت اپنی کارکردگی کا ریکارڈ پیش

کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کو یا عوام کے نمائندوں کو یہ حق بھی تفویض کرے کہ وہ ریڈیو یا ٹی وی پر حکومت کی کارکردگی کا تجزیہ کر سکے۔ تاکہ عہد نبوی اور عہد رسالت کی کے احتساب کی اسلامی بنیاد رکھی جا سکے۔ اجلاس کی دانست میں اگر وطن عزیز پاکستان ہمیشہ قائم و دائم رہنے کے لئے وجود میں آیا ہے اور اگر موجودہ دورِ حکومت آخری دورِ حکومت نہیں تو یقیناً احتساب کا ایک دور اس کے بعد بھی آئے گا جو نقاب پوشوں کی اصل کارکردگی سے عوام الناس کو مطلع کرے گا۔

اس حوالے سے یہ اجلاس اس مطالبے میں حق بجانب ہے کہ حکومت اپنے آپ کو کل کے بجائے آج احتساب کے لئے پیش کرے۔ تاکہ دیانتداری کے اسلامی اصولوں کو فروغ ملے۔

صوبائی کمیٹی کا یہ اجلاس مشیر امور خارجہ کی پراسرار خاموشی اور امور خارجہ کی ابجد سے نابلد جماعتی وزیر اور مشیروں کے خارجی معاملات کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ ہرزہ سرائی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ عوامی حکومت نے ایک آزاد اور خود مختار خارجہ پالیسی دو طرفہ تعلقات پر مبنی جس با وقار خارجہ پالیسی کی بنیاد رکھی تھی اس کو بری طرح پامال کر دیا گیا ہے۔ سفارتخانوں کی کارکردگی، سابق حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ لٹریچر تقسیم کرنے تک محدود ہو گئی ہے۔ پاکستان کو زندہ اور متحرک حیثیت سے ہٹا کر رسمی تعلقات کی سولی پر ٹنکا دیا گیا ہے مشیر امور خارجہ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھری مجلس میں جھوٹا بنایا جا رہا ہے۔ اور اس کی پراسرار خاموشی کے خلا کو غیر ذمہ دار افراد کے تبصروں سے پر کیا جا رہا ہے۔ صوبائی کمیٹی کا یہ اجلاس گماشتہ، سیاستدانوں کی طرف سے ایران اور افغانستان کے بارے میں متضاد بیانات جاری کرنے کی مذمت کرتا ہے۔ اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرز عمل کو پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت سمجھا جاتا ہے۔ گماشتہ سیاستدانوں کو اس سے احتراز کی نصیحت کی جائے۔ اگر گماشتہ سیاستدانوں کو قبض دم کے خطرے کی بنا پر بولنے کی اشد ضرورت ہی لاحق ہو تو انہیں بھارتی وزیر خارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپائی کی دھمکیوں کا جواب دینے کا مشورہ دیا جائے تاکہ مسئلہ کشمیر کے بارے میں ان کے اخلاص کا پتہ چل سکے۔

صوبائی کمیٹی کا یہ اجلاس مزدوروں کی چھانٹیوں، کسانوں کی بے دخلیوں، صحافیوں کی زبان بندی اور طلباء کے خلاف انتقامی کارروائیوں پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ چھانٹیاں، بے دخلیاں اور انتقامی کارروائیاں بند کر دی جائیں۔ تمام نظربندوں اور اسیروں کو فی الفور رہا کیا جائے۔ اور انتقامی کارروائی کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کی تلافی کی جائے۔ اجلاس سنسر شپ کے خاتمے اخبارات کو دیئے جانے والے ضمانت طلبیوں کے نوٹس واپس لئے جائیں، منسوخ شدہ اخبار ڈیکلریشن بحال کیا جائے اور آزادی صحافت کی راہ میں حائل جماعتی رکاوٹیں دور کی جائیں

اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ ایک ہزار روپے سے کم تنخواہ پانے والوں کی تنخواہوں میں کم از کم دو سو روپے ماہوار اضافہ کیا جائے۔ اور گذشتہ اٹھارہ مہینوں میں قیمتوں میں اضافے کی پاداش میں تمام ای درجے کے ملازمین کو کم از کم ایک سال کی تنخواہ کا پچھتر ٪ زر عبوری امداد کے طور پر دیا جائے

اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ چشمہ رائٹ بنک کینال کے لئے ساڑھے تین لاکھ کیوسک پانی کے بجائے سات لاکھ کیوسک پانی دینے کا اعلان کیا جائے۔ جس کی توثیق عوامی حکومت نے کی تھی۔ اجلاس کی نظر میں چشمہ رائٹ بنک کے پانی کی تقسیم کے مسئلہ پر قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود

سرگودھا * الطاف چغتائی

غیر ملکی اپیلیں داخلی معاملات میں مداخلت نہیں

دوست ممالک کو رائے دینے کا حق ہوتا ہے، اصغر خاں

تحریکِ استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان نے کہا ہے کہ ملک میں رشوت، بدعنوانی اور دیگر سماجی برائیاں عروج پر ہیں اور عوام اقتصادی ناہمواری کے باعث محرومیوں کا شکار ہیں۔ غیر یقینی حالات اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ ملک کے ہر طبقہ میں زبردست تشویش ہے اور عجیب قسم کا اقتصادی بحران پیدا ہو چکا ہے۔ ان حالات میں اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا اعلان اگرچہ باعثِ مسرت ہے لیکن عوام برائیوں کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ وہ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت کو اسلام سے الگ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس وقت ملک میں اسلام کو نعرے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور تحریر و تقریر کی آزادی پر پابندی ہے جو کہ جمہوریت کی نفی ہے۔

انہوں نے کہا کہ اقتدار عوام کی ملکیت ہے اور اسے عوام کو لوٹانا ہی پڑے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ عوام جن کو پسند کرتے ہیں انہیں منتخب کر لیں اور عوام کی رائے کے سامنے سب سر جھکا دیں۔ تحریکِ استقلال کے سربراہ نے کہا کہ چند تعزیرات نافذ کرنے سے عوام کو خوشحال نہیں بنایا جا سکتا بلکہ جب تک دولت کی منصفانہ تقسیم نہ ہو گی اس غریب ملک کے عوام کی حالت نہیں سدھر سکتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کے بنیادی حقوق بحال کئے جائیں اور سوچ میں تبدیلی پیدا کی جائے۔ اسلام میں کروڑوں روپے کی یادگاریں تعمیر کرانے اور فضول خرچی میں اضافہ کی اجازت نہیں۔

ایئر مارشل اصغر خان نے مخلوط اور جداگانہ انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حکومت کو آئین میں تبدیلی کا حق نہیں ہے اور اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے انہوں نے مسٹر بھٹو کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ ان کا معاملہ سپریم کورٹ میں ہے اس لئے کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ تاہم انہوں نے کہا کہ بیرونی ممالک کی طرف سے کی جانے والی اپیلیں پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں ہیں۔ دوست ممالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رائے دے سکتے ہیں اور اپنی تشویش سے آگاہ کر سکتے ہیں۔

اصغر خان نے حالیہ گرفتاریوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سراسر بڑی زیادتی ہے اور انصاف کے اصولوں کے منافی ہے انہوں نے کہا کہ زیر عتاب شخص کے متعلق کوئی بات کرنا تحریک استقلال کا شیوہ نہیں ہے۔ تحریک کے سربراہ نے کہا کہ عوام باشعور ہیں اور اپنا حق لینا جانتے ہیں اور اگر انہیں حق سے محروم رکھا گیا تو وہ ثابت کر دیں گے کہ اقتدار عوام کی ملکیت ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ انتخابات فوراً کرائے جائیں اور اقتدار کو کسی مثبت نتائج کا انتظار کئے بغیر عوام کے حوالے کر دیا جائے۔

کی آمنا و صدقنا ڈیرہ ڈویژن کے عوام کے مفادات سے غداری کے مترادف ہے۔ اجلاس اس بات پر حیرانی ظاہر کرتا ہے کہ سابقہ دورِ حکومت میں مولانا مفتی محمود ساڑھے سات لاکھ کیوسک پانی کو بھی ناکافی سمجھتے تھے۔ مگر اب ساڑھے تین لاکھ کیوسک پانی ملنے پر خوشی میں شادیانے بجا کر شکرانہ ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ اجلاس چشمہ رائٹ بنک کے پانی کی تقسیم میں کمی کئے جانے کو ملک کی معیشت کے لئے نقصان دہ سمجھتا ہے۔ اور اجلاس زرعی معیشت کی ترقی اور خوشحالی کے لئے مطالبہ کرتا ہے۔ کہ ساڑھے سات لاکھ کیوسک پانی دیا جائے۔

صوبائی کمیٹی کا اجلاس سپریم کورٹ کی تعمیر میں تعطل کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور مطالبہ کرتا ہے کہ عوامی حکومت کے اس عظیم منصوبے کو مقررہ وقت پر پورا کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ اجلاس فنڈز کی کمی کو رد کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ قومی خزانے کی دولت کو وائٹ پیپر کی اشاعت اور بیرونِ ملک پروپیگنڈہ مہموں پر لٹانے کے بجائے ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کیا جائے۔

●

کویت

پی پی پی کویت و گلف

کے سیکرٹری جنرل سے نذیر ملک کی ملاقات

جمہوری حکومت اور فوجی حکومت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے

سوال:۔ آپ نے پی پی پی میں کب شمولیت اختیار کی اور اس کے کیا محرکات تھے۔؟

جواب:۔ میں نے ۱۹۷۰ء میں پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پارٹی کے لیڈر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو پر مجھ کو نہیں بلکہ پوری قوم کو پورا اعتماد تھا اور وہ ایک عوامی لیڈر بن کر ابھرے ہم نے سوچا کہ وہ ایک عالمی سیاستدان ہیں اور ملک و قوم کی صحیح خدمت وہی کر سکتے ہیں چنانچہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے پارٹی کی قیادت پر پورا پورا اعتماد کرتے ہوئے شمولیت اختیار کی۔

سوال:۔ بھٹو صاحب سے آپکی ملاقات ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو کہاں؟

جواب۔ جی ہاں! مجھے دو تین بار ان سے ملاقات کرنے کا موقعہ ملا۔ ایک دفعہ راولپنڈی میں اور دو دفعہ دورہ کویت کے موقع پر ان سے ملاقات ہوئی۔

سوال:۔ بھٹو صاحب کے ساتھ ملاقات پر کیا باتیں ہوئی تھیں؟

جواب۔ پنڈی والی ملاقات میں انہوں نے فرمایا تھا کہ آپ لوگ بیرونِ ملک میں ملک و قوم کی زیادہ خدمت کریں، زیادہ سے زیادہ ملک کو زرِ مبادلہ بھجوائیں۔ باقی ملاقاتوں میں کویت میں مقیم پاکستانیوں کی اقتصادی حالت کے متعلق بات چیت ہوئی تھی۔

سوال۔ کویت و گلف کی ریاستوں میں پارٹی نے اب تک کیا کیا ہے؟

جواب۔ ہم لوگوں نے ہمیشہ پاکستانیوں میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی ہے جس میں ہم لوگ بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں ہماری گلف میں موجود پاکستانیوں سے ہمیشہ یہ درخواست رہی ہے کہ آپس میں اتفاق و اتحاد کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اسی میں ملک و قوم اور پارٹی کی بہتری ہے۔

سوال۔ کویت پی پی پی کے حامیوں کی کتنی تعداد ہوگی؟

جواب۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق کویت میں ۶۰ ہزار کے لگ بھگ پاکستانی مقیم ہیں جن میں تقریباً ۸۰ فیصد لوگ پارٹی کے حامی ہیں یاد رہے کہ لندن کے بعد کویت دوسرے نمبر پر ہے جہاں اتنی بڑی تعداد میں پارٹی کے حامی موجود ہیں۔

سوال۔ کویت کا پاکستانی سفارتخانہ آپ لوگوں سے تعاون کرتا ہے یا نہیں۔

جواب۔ جی نہیں بالکل نہیں۔ کیونکہ وہ سرکاری لوگ ہیں ہر آنے والی حکومت کا جی حضوری کرنا ان کے فرائض میں شامل ہوتا ہے۔

سوال۔ جنرل ضیاء کے دورۂ کویت پر آپ سے ملاقات میں کیا باتیں ہوئی تھیں؟

جواب۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوئی تھیں جس میں ہم لوگوں نے ان سے پوچھا تھا کہ آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ ایک اچھی بھلی جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر جمہوریت کا گلا گھونٹ دیں اس پر انہوں نے کہا تھا کہ ملک میں اگر فوجی حکومت قائم نہ ہوتی تو خانہ جنگی کا ڈر تھا اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ اس پر ہم نے کہا تھا کہ اس کا طریقہ مارشل لاء نہیں ہے اس کو روکنے کے اور بھی طریقے تھے ہمارے ملک و قوم کی بدقسمتی ہے کہ اس کو کئی بار مارشل لاء کا منہ دیکھنا پڑا ہے خدا کرے کہ اس ملک میں جلدی جمہوریت کا دور دورہ ہو۔

سوال۔ بھٹو صاحب کے عوامی دور میں اور موجودہ حکومت کے دور میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں

جواب۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جمہوری حکومت اور فوجی حکومت کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

سوال۔ پاکستان کے پڑوسی ملک ایران میں آج کل جو کچھ ہوا ہے اس کے متعلق آپ کے خیالات کیا ہیں۔؟

جواب۔ آج کے دور میں بادشاہت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے اس کا

(باقی صفحہ پر)

آؤ ہم اشتراکی دیہی تعمیر کی عظیم الشان کامیابیوں کو مزید ترقی دے کر اور زیادہ مستحکم بنادیں

کامریڈ کم ال سنگ
صدر عوامی جمہوریہ کوریا

کامریڈز!

اس وقت تک ہم جو کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں ہمیں ان پر انحصار کرتے ہوئے آئندہ اشتراکی دیہی تعمیر کے کام کو پہلے سے زیادہ قوت اور تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھانا چاہیئے۔

سب سے زیادہ تو دیہی فنی انقلاب کو پوری قوت کے ساتھ متواتر فروغ دیتے رہنا چاہیئے۔ دیہی فنی انقلاب کے جن فرائض کا "ہمارے ملک میں اشتراکی دیہی مسئلہ پر مقالہ" میں تعین کیا گیا تھا ہمیں انہیں پوری طرح پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہیئے۔ ہمارے دیہات میں آبپاشی اور برق کاری کا کام شاندار طریق سے پورا ہو چکا ہے اور مشین کاری اور کیمیاوی مرکبات کے استعمال میں خاطر خواہ ترقی ہو رہی ہے۔ دیہی فنی انقلاب کی تکمیل میں، آج ہمیں درپیش اہم ترین کام یہ ہے کہ زراعت میں مشین کاری اور کیمیاوی مرکبات کو تیز تر کر کے انہیں جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔

زراعت میں مشین کاری اور کیمیاوی مرکبات کے استعمال کے کام کو بسرعت پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ دیہی علاقوں کو زیادہ اور بہتر ٹریکٹر اور دیگر جدید زرعی مشینیں نیز مختلف قسم کی اعلےٰ درجہ کی کیمیاوی کھادیں اور زرعی کیمیاوی مرکبات خاطر خواہ مقدار میں فراہم کئے جائیں علاوہ ازیں زمین کو ہموار کرنے کا کام صحیح طور پر کیا جانا چاہیئے اور تمام صوبوں اور کاؤنٹیوں میں ٹریکٹروں کی مرمت کے مضبوط مراکز تعمیر کئے جانے چاہیئیں تاکہ ٹریکٹروں کی شرح افادیت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جا سکے۔

ہمیں کاشتکاری کے تمام کاموں کو مشینوں اور کیمیاوی مرکبات کے ذریعے سرانجام دینے کے لئے زراعت میں مشین کاری اور کیمیاوی مرکبات کے استعمال کو بھرپور ترویج کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا دینا چاہیئے۔ اس طرح ہم نہ صرف یہ کہ کسانوں کو کٹھن محنت سے پوری طرح نجات دلا دیں گے بلکہ محنت کی استعداد پیداوار میں بھی خاطر خواہ اضافہ کر دیں گے حتیٰ کہ ہر کسان پانچ چنگبو دھانی یا ۱۰ چنگبو غیر دھانی کھیتوں میں کاشت کر سکے گا۔ اور صنعتی شعبہ کی طرح زرعی شعبہ میں بھی آٹھ گھنٹے یومیہ اوقات کار کا نظام رائج کیا جا سکے گا۔ بہ الفاظ دیگر ہمیں مشین کاری اور کیمیاوی مرکبات کے استعمال کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے زراعت کو مکمل طور پر صنعتی بنا دینا چاہیئے۔ دیہی فنی انقلاب میں یہی ہماری منزل ہے جسے ہم نے حاصل کرنا ہے۔

بھٹو کی جان بخشی کے لئے ۵۵ وکلا کی اپیل

سکھر . ارشد حسین

ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے ان کے وکلا نے نظر ثانی کی درخواست سپریم کورٹ میں داخل کر دی ہے جس کی سماعت بھی شروع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ ایک نئی درخواست بھی داخل کی گئی ہے کہ اپیل کی فل بنچ سے ریٹائر ہونے والے دو ججوں کو نظر ثانی کرنے والی بنچ میں بھی شامل کیا جائے۔ اس طرح بقول عبدالحفیظ پیرزادہ بھٹو کے حامی "قانون کی لڑائی" میں مصروف ہیں۔

اور ادھر عوام میں سپریم کورٹ کا فیصلہ، نظر ثانی کی اپیل، دنیا کے بڑے بڑے سربراہان مملکت اور سیاستدانوں کی جان بخشی کے لئے اپیلیں جگہ بہ جگہ موضوع بحث بنی ہوئی ہیں چاہے وڈیرے کی "اوطاق" (بیٹھک) ہو یا دوپہر کو کھیتوں میں کام سے فارغ ہو کر اکٹھے کھانا کھاتے ہوئے ہاریوں کا اجتماع ہو، عدالتوں کے باہر انصاف کے طلبگاروں کا ہجوم ہو یا ہوٹلوں یا دوکانوں کے تھڑوں پر بیٹھے مغموم و اداس لوگ ہوں۔ ہر جگہ بات گھوم پھر کر ایک ہی محور پر آجاتی ہے۔ اور وہ ہے ذوالفقار علی بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت۔

سندھ کے دیہاتی عوام میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جن کی عمر کا بیشتر حصہ جھوٹے سچے مقدمات بھگتاتے ہی گذرتا ہے۔ اور عدالتی قوانین پر ایک وکیل کی طرح انہیں عبور ہوتا ہے۔ ایسے حضرات جب اپنی سوچ کے مطابق "قانونی موشگافیاں" بیان کرتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بہر حال اس موضوع بحث پر عام لوگوں کے افکار سے قارئین کو مطلع نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ معاملہ توہین عدالت کی زد میں آتا ہے۔

اور اب جب کہ نظر ثانی کی اپیل داخل کر دی گئی ہے۔ غریب عوام کی آنسو بھری آنکھوں میں امید و آس کے تارے پھر جھلملانے لگے ہیں۔ ہر طرف سکوت و سناٹا ہے لیکن قبرستانوں جیسا، یا پھر اس گھر جیسا جہاں کوئی جوان موت ہو گئی ہو۔

سکھر کی دوسری سیاسی جماعتوں کے کارکنوں پر فیصلہ کا ردِ عمل مختلف ہے۔ جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام کے کارکن عام طور پر نکتہ چینی سے پرہیز کر رہے ہیں جب کہ مسلم لیگ کے وڈیرے کو جن کا زمین کی ملکیت کے تعلق سے "زمین کے فرزندوں" یعنی ہاریوں سے مالک اور غلام کا ناطہ ہے، ایک گہری سوچ میں ڈوبے نظر آتے ہیں، کیونکہ انہیں اپنے ہاریوں کی سوچ اور انداز فکر کا صحیح اندازہ ہوتا جا رہا ہے۔ پیپلز پارٹی کے وڈیرے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے دم سادھے بیٹھے ہیں اور وہ ایک ایسی مسکین بلی کی طرح نظر آ رہے ہیں جو بظاہر چوہوں سے غافل، آنکھیں بند کئے دھوپ سینک رہی ہو۔ لیکن پاکستان کی سب سے بڑی خوش فہم جماعت، یعنی جماعت اسلامی بے حد مسرور و شادماں ہے۔ ان کے کارکن مٹھائیاں بانٹتے بھی نظر آتے ہیں۔ اور بقول ایک پنجابی دوست، فیصلہ سننے کے بعد ایک دوسرے سے خوب "جپھی پا کے" بغل گیر ہوتے ہیں اور عید سعید کی طرح ایک دوسرے کو مبارک باد دی ہے۔ بھٹو دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ وہ کھلے بندوں ان تمام سربراہان مملکت۔ اور دنیا کے عظیم سیاستدانوں کے خلاف مغلظات بک رہے ہیں جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمام ممالک سے سفارتی تعلقات توڑ کر پاکستان کو یکہ و تنہا کر دیں۔ جماعت اسلامی کے حلقوں میں یہ افواہ بھی گرم ہے کہ امریکہ نے صرف رسمی طور پر رحم کی اپیل کی ہے اور اس کی سرکاری حیثیت نہیں ہے اور وہ بڑے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ امریکہ بھٹو کو پھانسی دینے پر خوش ہے۔

سکھر کے ۵۵ ممتاز وکلا نے بھی ایک اخباری بیان میں جن میں پیپلز پارٹی، نیشنل پروگریسو پارٹی، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اور مسلم لیگ کے حامی شامل ہیں، بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کی ہے۔

بقیہ: اسلامی معاشی نظام

رائے زنی نہیں کی مگر سرمایہ داروں نے اپنے ردعمل کا مظاہرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ٹیکس اور زکوٰۃ ایک ساتھ نہیں چل سکتے (ان کے نزدیک سود اور زکوٰۃ ایک ساتھ چل سکتے ہیں) کیونکہ اس سے ان کے "ناتواں کندھوں" پر مزید بوجھ پڑے گا اور سرمایہ کاری کے لئے رقم میں کمی ہو جائے گی۔ انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ حکومت کو چاہیئے کہ ٹیکس طلب کرتے وقت زکوٰۃ کی رقم اس سے گھٹا دی جائے۔ امکان غالب یہ ہے کہ حکومت کو ان کے مطالبے کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا کیونکہ ان مفاد پرستوں کے ڈانڈے حکمران جماعتوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ زکوٰۃ کے استعمال اور تقسیم کے بارے میں خدشات اپنی جگہ موجود ہیں اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ رقم اگلے انتخابات کے وقت "مثبت نتائج" حاصل کرنے کے لئے سیاسی تیموں میں تقسیم کی جائے گی۔

حکومت نے جو دوسرے اقدامات کئے ہیں وہ چار حدوں کا نفاذ ہے جو شراب نوشی، زنا، چوری اور قذف یا الزام تراشی کے لئے سزاؤں کی انتہائی صورتیں ہیں۔ ان برائیوں کے خاتمے کے بارے میں کوئی دو آرا نہیں ہو سکتیں۔ مگر ان تعزیرات کے ساتھ اس اجتماعی تحفظ کا اصول کہاں گیا جس کے مطابق اگر کوئی بے روزگار ہو گا تو اس کی ذمہ داری حکومت پر ہو گی اور اس کو وظیفہ دیا جائے گا کیا اس قسم کا کوئی قانون وضع کیا گیا ہے؟ ان فرائض اور ذمہ داریوں کے بغیر صرف تعزیرات کا نفاذ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ گلی سڑی، بدکردار اور رشوت خور نوکر شاہی کی موجودگی میں ان اقدامات پر عمل ممکن نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان بنیادی وجوہات کو دور کیا جائے جن کی وجہ سے معاشرہ میں یہ برائیاں جنم لیتی ہیں۔ یعنی جب تک جاگیرداری، اجارہ دار سرمایہ داری، غیر ملکی قرضے اور ان پر سود۔ ایک طرف بے پناہ غربت اور دوسری طرف وسائل پیداوار پر مٹھی بھر گروہ کا کنٹرول رہے گا، چوری بھی ہو گی، جسموں کی خرید و فروخت بھی ہو گی شراب بھی چلے گی۔ کھلے بندوں نہیں مگر چوری چھپے۔

غیر منصفانہ معاشرے میں عوام الناس کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کا درس دیا جاتا ہے اور ان کے حقوق کی بات غائب کر دی جاتی ہے دوسری طرف حکمرانوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے مگر فرائض کا حصہ گول کر دیا جاتا ہے اور رسولؐ خدا کا ارشاد ہے کہ "جن قوموں میں قانون صرف غریبوں کے لیے رہ جاتا ہے وہ قومیں فنا ہو جاتی ہیں۔"

اس ملک کے سرمایہ دار اور جاگیردار طبقوں کے رویہ کی وجہ سے ایک منصفانہ معاشرے کے قیام کا خواب ادھورا رہ جائیگا کیونکہ ان کے مطالبات کچھ اس قسم کے ہیں کہ ان کو ٹیکسوں کی چوری کی کھلی چھوٹ دے دی جائے تاکہ ٹیکس کی رقم کے ساتھ ہی وہ حصہ داروں کے نہ صرف منافع بلکہ اصل رقم کو بھی ہڑپ کر سکیں انہیں مزدوروں کو بلا جواز ملازمت سے نکالنے کا حق ملنا چاہیئے انہیں اشیاء کی قیمتوں کے سلسلے میں من مانی کارروائیوں سے نہ روکا جائے۔

زکوٰۃ کے ساتھ عشر کے نظام کو بھی نافذ کیا گیا ہے مگر جاگیرداری نظام کو جوں کا توں رہنے دیا گیا۔ تاریخ کے طالب علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مغلوں کے دور میں بھی جاگیرداری نظام رائج نہیں تھا بلکہ ایک طبقہ جو پنج ہزاری دس ہزاری کہلاتا تھا صرف لگان وصول کر کے بادشاہ تک پہنچاتا تھا یعنی ان کا درجہ محصّلین کے برابر تھا اگرچہ وہ دوسری خدمات بھی انجام دیتا تھا انگریزوں نے اس طبقہ کو اپنے دیسی حکمرانوں اور ملک سے غداری کے عوض زمینیں عطا کیں اور موجودہ جاگیرداری کی مکروہ شکل ابھر کر سامنے آئی یہ جاگیردار طبقہ تعلیم کی سائنس کی، صنعتی ترقی اور جمہوریت کی ضد ہے۔ کسی بھی معاشرے میں کسی بھی اخلاقی، سماجی یا روحانی یا مذہبی رو سے اس کی کہیں کوئی گنجائش نہیں، قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے کہ زمین اللہ کی ہے سورۃ الرحمٰن میں درج ہے

• اور زمین کو اس نے مخلوق کے لیئے مہیا کیا یہ کسی مخصوص یا پسندیدہ مخلوق کے لیئے نہیں بلکہ عوام الناس کے لیئے ہے جس طرح ہوا پانی، سمندر، پہاڑ کسی فرد کی ملکیت نہیں ہو سکتے اسی طرح زمین بھی کسی جاگیردار کی ملکیت نہیں ہو سکتی حضرت عمرؓ کے عہد کا واقعہ اس امر کی تصدیق کے لیئے کافی ہے خلیفہ وقت نے حضرت بلال سے زمین کا ٹکڑا واپس لیا جو کہ رسولؐ خدا نے انہیں دیا تھا کیونکہ وہ اس کے کچھ حصے میں کاشت نہیں کر رہے تھے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین کی کاشت کرنے والا ہی اس کا امین ہو سکتا ہے لہٰذا غیر حاضر جاگیردار کا تصور اسلام میں نہیں ہے۔

اسلام نے سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس ذاتی ملکیت (نہ کہ وسائل پیداوار) کے حق کو حدود و قیود کے ساتھ مشروط رکھا ہے اسی طرح ارتکازِ زر کو اور مال لوگوں کے خاص گروہ میں محدود کرنے اور عوام الناس کو اس سے محروم کرنے کے عمل کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے۔ لوٹ مار رشوت ستانی، اقربا پروری اور بے لگام سرمایہ داری کا انجام ایران کے حالات کی شکل میں ہمارے سامنے ہے حالانکہ جہاں تک وسائل دولت اور تیل کی آمدنی کا تعلق ہے پاکستان اس کے عشرِ عشیر بھی نہیں۔

ان تمام حقائق کے بیان کا مقصد تنقید برائے تنقید نہیں ہے کیونکہ اب تک کیئے گئے اقدامات کے سلسلے میں یہی باتیں سامنے آئی ہیں۔ بہرحال اگر حکومت واقعی وطن عزیز سے محبت رکھتی ہے اور اس ملک کے عوام کی خوشحالی کے لیئے ایک منصفانہ معاشرے کی تشکیل میں مخلص ہے تو اس کے لیئے ایک مختلف لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا یہ راستہ کٹھن ضرور ہے مگر منزل پر پہنچنے کے امکانات نہایت واضح ہیں نیز یہ راستہ ایک درخشندہ مستقبل کی ضمانت بھی بن سکتا ہے۔

۱۔ سود پر حاصل کیئے جانے والے غیر ملکی قرضے نہ لئے جائیں اور پرانے قرضوں پر فوری طور پر سود دینا بند کر دیا جائے کیونکہ سود لینا حرام ہے تو سود دینا بھی حرام ہے۔

۲۔ تمام تعیشات اور غیر ضروری درآمدات پر مکمل پابندی لگا دی جائے اور صرف صنعتوں کو خام مال منگوانے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

۳۔ حکمرانوں، نوکر شاہی اور سرمایہ دار کو اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے چاہئیں کیونکہ یہ غریب ملک بڑے بڑے بنگلوں، کاروں اور ان کے موجودہ معیارِ زندگی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ ٹیکس کی وصولی کے لیئے طریقۂ کار کو سہل بنایا جائے اور ٹیکس کی وصولی کی مشینری کو از سرِ نو منظم کیا جائے۔

۵۔ مزدوروں کی تنخواہوں میں مناسب اضافہ کیا جائے تاکہ ماضی میں مہنگائی کی وجہ سے ان کی حقیقی آمدنی میں کمی کو کسی حد تک پورا کیا جا سکے اور ساتھ ہی قیمتوں کو موجودہ سطح پر رکھا جائے تاکہ ان کا بوجھ کچھ تو ہلکا ہو۔

۶۔ کم از کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہوں اور مراعات کا تعین کیا جائے۔

۷۔ ملک میں ۱۹۷۳ء کے آئین کی بنیاد پر انتخابات جلد از جلد ہونے چاہئیں تاکہ منتخب اسمبلی اس میں ترامیم کر کے موجودہ بحران کو دور کر سکے۔ اور وفاق کی تمام اکائیوں کے عوام کی امنگوں کے مطابق قابلِ عمل حل تلاش کیا جا سکے۔

بقیہ: پرانی سیاست گری

شامل سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کا ہے، جن کی سیاست کا مستقبل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف مسٹر بھٹو کی موت سے مشروط ہو کر رہ گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر مسٹر بھٹو پھانسی پا جائیں تو ان کی سیاست چمکے گی اور ملک کا مستقبل بھی روشن ہوگا اور اگر خدانخواستہ مسٹر بھٹو بچ گئے تو پھر ان کی سیاست ٹھپ ہو جائے گی اور ملک کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اسی لئے وہ سال ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اپنی پرانی باتیں اور پرانے دعوے سب فراموش کر بیٹھے ہیں، اب وہ اپنے ۳۲ نکات کا ذکر نہیں کرتے جنہیں انہوں نے مسٹر بھٹو کے سامنے پیش کیا تھا۔ نہ انہیں اب شہری آزادیوں کی فکر ہے اور نہ جمہوریت اور انتخابات کی۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قوم ایک عرصہ سے صرف اسی مارشل لا حکومت کا انتظار کر رہی تھی جس نے ملک میں نظام اسلام (میاں نورانی کا نظام مصطفےٰ نہیں) نافذ کر دیا ہے۔ اب نہ الیکشن کی ضرورت ہے، نہ بنیادی انسانی حقوق کی، نہ آزادیٔ صحافت اور آزادیٔ اظہار کی۔ اب اسلام کے ٹھپہ کے تحت جملہ کالے قوانین، مارشل لا، مارشل لا عدالتیں، اخبارات پر سنسر اور ہر نوع کی آمریت جائز اور عین اسلامی قرار دی جا چکی ہیں۔

تعجب اس بات پر ہے کہ اس صورتِ حال کو برقرار رکھنے میں نہ صرف موجودہ حکومت میں شامل پی این اے کی جماعتوں کا حصہ ہے بلکہ ان جماعتوں کا بھی جو پی این اے سے ٹوٹ کر الگ ہوئی ہیں، یعنی تحریک استقلال، جمعیت علمائے پاکستان اور این ڈی پی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ سب بھی مسٹر بھٹو کے پھانسی پر چڑھنے کا انتظار کر رہی ہیں۔ ان کے افعال و اقوال اور طرزِ عمل سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جناب اصغر خان نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مسٹر بھٹو کے فیصلہ کے بعد ان کی پارٹی کے لئے حالات ساز گار ہو جائیں گے۔ ان میں سے کسی نے اس مطالبہ کی حمایت نہیں کی کہ مسٹر بھٹو پر اسلامی شرع کے تحت قتل کا مقدمہ چلایا جاتے۔ ان میں شاہ احمد نورانی صاحب بھی شامل ہیں جنہوں نے نظام اسلام کے نفاذ پر صدر ضیاالحق کو مبارکباد بھی دی ہے اور اس پہ پوری طرح خوش بھی نہیں کیونکہ فتاویٰ عالمگیری کا ابھی نفاذ نہیں ہوا ہے لیکن وہ بھی اسی فکر میں دکھائی دیتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کا قصہ ختم ہو تو پھر وہ زیادہ سہولت سے اپنی سیاست چلا سکیں۔ آخر یہ لوگ مسٹر بھٹو کو یا بقول ان کے بھٹو ازم کو سیاسی طور پر شکست دینے کی صلاحیت اور حوصلہ کیوں نہیں رکھتے؟ اور نہ تو اور این ڈی پی والے بھی اسی مرض میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھی ان دنوں سانپ سونگھ گیا ہے، کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کی موت کے بعد اس ملک کے مسائل میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ ظاہر ہے نہیں ہو گی۔ جس طرح سے جناب ضیاالحق

نے اپنی برانڈ کا نظامِ اسلام نافذ کیا ہے اس کے نتیجہ میں ملک کے سیاسی سماجی اور اقتصادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کو نہ صرف چھوا تک نہیں گیا بلکہ اسے برقرار رکھنے اور مزید مستحکم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سرمایہ دار، آڑھتی، بیوپاری اور بڑے بڑے زمیندار جن اجتماعی جرائم کے مرتکب ہیں اور جن کے ذریعہ وہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو لوٹتے ہیں ان کی گرفت کے لئے اسلامی قوانین رائج نہیں کئے گئے مثلاً چور بازاری، منافع خوری، اسمگلنگ، ملاوٹ اور رشوت ستانی، وجہ اس کی صاف ظاہر ہے۔ یعنی یہ لوگ حکمران طبقات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا تحفظ کیا جا رہا ہے۔

ہمارے سیاستدانوں کو جاننا چاہیئے کہ مسٹر بھٹو کی موت یا ان کے کچھ اور عرصہ زندہ رہنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ موت سب کو آنی ہے، طبعی موت آئے یا پھانسی کے ذریعہ موت آئے لیکن ہماری سیاست میں ایسی ریت نہیں پڑنی چاہیئے کہ سیاسی اختلاف کو سیاسی انتقام کا سبب بنایا جائے، جس چیز کا ملزم یہ حضرات مسٹر بھٹو کو قرار دے رہے ہیں خود بھی اُسی کا ارتکاب کریں۔ لوگ جائز طور پر یہ پوچھیں گے کہ جس ملک میں آج تک اس کے اوّل وزیرِ اعظم اور قائدِ اعظم کے دستِ راست جناب لیاقت علی خاں کے قتل کے مجرموں کو سزا نہیں دی گئی، بلکہ ان کی تلاش ہی نہیں کی گئی، کیونکہ کچھ لوگوں کے نزدیک وہ اسی ملک کی نوکر شاہی سے تعلق رکھتے تھے وہاں ایک جج کی اکثریت سے ایک ایسے شخص کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا جسے ملک کے کم از کم دو صوبوں کے عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور جس کے جرم کو نظامِ اسلامی کے نفاذ کے باوجود اسلامی عدالت میں اسلامی قوانین کے تحت ثابت نہیں کیا گیا۔

بقیہ: کویت بی پی پی

نام جمہوریت ہے جو ایرانی قوم نے حاصل کر لی ہے۔

سوال۔ ایران میں تبدیل شدہ سیاسی صورت کا کیا پاکستان پر اثر پڑ سکتا ہے؟

جواب۔ جی ہاں! کیوں نہیں۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے بنگلہ دیش، ہندوستان، ایران اور افغانستان کے لوگوں کے نظریات خیالات تقریباً پاکستانیوں سے ملتے ہیں ظاہر ہے کہ پاکستان کے عوام اور پاکستان پر اس کا اثر ضرور پڑے گا۔

سوال۔ حال ہی میں سپریم کورٹ سے بھٹو کو موت کی سزا کا فیصلہ سنایا گیا ہے کویت اور خلیج کی دیگر ریاستوں میں پاکستانیوں اور غیر پاکستانیوں کے کیا تاثرات ہیں

جواب:۔ کویت اور خلیج کی ریاستوں میں پاکستانیوں اور دیگر غیر ملکیوں نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا ہے۔ ان ممالک میں مقیم لوگوں کو افسوس ہے کہ موجودہ حکومت ایک ناجائز قدم اٹھا کر ایک ایسے شخص کو ختم کرنا چاہتی ہے جس نے پاکستانیوں کو سر اُٹھا کر چلنے کا جذبہ عطا کیا ہے

سوال۔ بھٹو صاحب کی سزا سنانے پر کویت میں کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے؟

جواب۔ جی ہاں! جب حکومت پاکستان کے ریڈیو سے بھٹو صاحب کی موت کی سزا کی خبر نشر ہوئی تو کویت و گلف کی پارٹی کے صدر مسٹر افضل نور وقتی طور پر اپنا دماغی توازن برقرار نہ رکھ سکے اور انہیں فوراً اسپتال داخل کروا دیا گیا تھا اب وہ اللہ کے فضل سے بڑی تیزی سے رو بصحت ہو رہے ہیں اس کے علاوہ کئی اور ایسے واقعات پیش آئے ہیں کویت میں ہر اس انسان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے جس کو قائدِ عوام اور وطنِ عزیز سے گہرا لگاؤ ہے اس وقت فوری طور پر ہم لوگوں نے ہنگامی اجلاس بلایا اور ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا تھا تمام اسلامی سربراہوں کے نام مخصوص تار ارسال کیئے گئے اس کے علاوہ لیاین او میں ریڈ کراس کو بھی تار دیئے جس میں حکومت پاکستان سے بھٹو صاحب کی جاں بخشی کے لیئے اپیلیں کی گئی تھیں۔

بقیہ: جسٹس وحید الدین

۸ر دسمبر ۱۹۷۸ کے روزنامہ جنگ کے مطابق سپریم کورٹ نے فیصلہ کیا کہ نواب محمد احمد خان کے قتل کیس میں اپیلوں کی سماعت بقیہ سات ججوں کے سامنے جاری رہے گی۔

ادھر امراضِ قلب کے نیشنل انسٹیٹوٹ میں مسٹر جسٹس وحید الدین زیر علاج تھے ۴ر دسمبر کو جناح پوسٹ گریجویٹ سنٹر کے پروفیسر رب اور پروفیسر صالح میمن نے ان کا معائنہ کیا اور معائنہ کی آئندہ تاریخ ۷ر دسمبر مقرر کی لیکن یہ معائنہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ فاضل جج صحت مند ہو گئے تھے لیکن انہیں ہسپتال سے گھر جانے کی اجازت نہیں دی گئی ڈاکٹر مجیب بھی اپنے والد کی صحت سے مطمئن تھے اور وہ پاکستان کی ہاکی ٹیم میں شرکت کرنے کے لیے بنکاک چلے گئے اگر مسٹر جسٹس وحید الدین واقعی علیل ہوتے تو ڈاکٹر مجیب کبھی بنکاک نہ جاتے۔ بھلا کوئی بیٹا اپنے باپ کو بسترِ علالت پر چھوڑ کر کس طرح پردیس جا سکتا ہے۔

۲۳ر دسمبر ۱۹۷۸ کو مسٹر جسٹس وحید الدین ہسپتال سے اپنے بیٹے کے گھر آ گئے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ فوجی انتظامیہ کے وزیر قانون مسٹر بروہی نے، ۸ر فروری ۱۹۷۹ء کو بی بی سی ٹیلیویژن کے نمائندے کو یہ گمراہ کن بیان دیا کہ مسٹر جسٹس وحید الدین ابھی تک امراضِ قلب کے نیشنل انسٹیٹیوٹ میں زیر علاج ہیں۔

بقیہ: قائم علی شاہ

کیا گیا تھا جس کو جماعت اسلامی کے حلقوں نے حکومت کے خلاف میر خلیل الرحمٰن کی نئی کمٹمنٹ سے تعبیر کیا۔ اور تیسرے روز جماعت اسلامی کے ترجمان اخبار جسارت نے جواباً ایک اداریہ عطا کیا تھا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس جھوٹی خبر کی اشاعت سے جنگ کی کریڈیبلٹی اس کے پڑھنے والے حلقوں میں یقیناً متاثر ہوئی ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک اس جھوٹی خبر کی اشاعت کا مقصد ظفر رضوی کو نیوز ایڈیٹر کے منصب پر ترقی سے روکنا تھا۔ سازشی اپنے اس ہتھکنڈہ میں خاصے کامیاب بھی رہے۔ جماعت نے یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ نیوز ایڈیٹر کے عہدے پر کسی ترقی پسند کی ترقی برداشت نہیں کرے گی سو اس کا یہ ارادہ کامیابی سے ہمکنار ہوا، لیکن آخری فیصلہ کرتے وقت میر خلیل الرحمٰن کو یہ ضرور سوچنا ہوگا کہ وہ اپنے موثر اخبار کو مکمل طور پر جماعت اسلامی کے کنٹرول میں دے دیں یا جماعت کے ترجمان جسارت اور جنگ کی پالیسی میں واضح فرق اور امتیاز برقرار رکھیں۔

بقیہ: سپرنما

ہیں۔ مفتی محمود کا جنرل ضیاء اور پریس کے درمیان رابطہ جاری ہے جماعت اسلامی اندیشۂ فردا اور فکر امروز سے بے نیاز نوکر شاہی کی گود میں کھیل رہی ہے۔ عام انتخابات کی تاریخ نہاں خانے میں سستا رہی ہے ـــ بھٹو صاحب پھر سپریم کورٹ میں زیر بحث ہیں اور ہم اور آپ اپنے اپنے مثبت خیالات کو مثبت نتائج میں تلاش کرنے کی کوشش جیسی ورزش میں مصروف ہیں۔ دیکھئے کیا ظہور میں آتا ہے۔

دُنیا کے مشہور

مصنّفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز ● پُراسرار ● خوفناک

جُرم و سزا ● سُراغرسانی ● مہم جُوئی

شکاریات ● طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناولوں کی تلخیص

نفسیاتی اور جنسی اُلجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے

برصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب

ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ

خوبصورت گیٹ آپ کے ساتھ

؟

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ماروی مطبوعات ○ کراچی ۲۹

جنرل ٹکا خان

خط کا مکمل متن صفحہ ۹ پر

بنام جنرل ضیا